رجسٹرڈ نمبر ۲۶۲۹ بی ایل
۴۸۶
۴۸۶
من عرف نفسہ فقد عرف ربہ
جس نے نفس کو پہچانا اس نے پروردگار کو پہچان لیا
لا فتی الا علی لا سیف الا ذوالفقار
عرفان
زیر ادارت
حکیم السید ذاکر حسین اختر
شائع ہوتا ہے
سید ذاکر حسین ایڈیٹر پرنٹر وپبلشر نے اقبال پرنٹنگ ورکس دہلی میں طبع کرا کے مہربلی ضلع انبالہ سے شائع کیا

قواعد وضوابط

۱ - یہ رسالہ ہر انگریزی مہینہ کی پندرہ تاریخ کو شائع ہوتا ہے -

۲ - نمونہ کا پرچہ ۳؍ کے ٹکٹ بھیجکر طلب کیجئے -

۳ - خط وکتابت کیلئے نمبر خریداری کا حوالہ ہونا چاہئے

۴ - جواب طلب امور کیلئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ روانہ فرمایئے

۵ - مضامین بشرط پسند بصد امتنان شائع کئے جائینگے لیکن ناپسند ہونے پر واپسی [illegible]ضامین کی ذمہ داری دفتر پر عائد نہ ہوگی.

۶ - پرچہ کی روانگی میں حتی الامکان احتیاط کیجائیگی لیکن نہ پہنچنے کی حالت میں اگر اسی مہینہ اطلاع دیگئی تو پرچہ دوبارہ بیجا جا سکتا ہے ورنہ ۴؍ کے ٹکٹ بھیجنے چاہئیں اگر پرچہ دفتر میں موجود ہوا تو بھیجا جا سکیگا ورنہ ٹکٹ واپس ہونگے.

۷ - اندرون ہندوستان کیلئے چندہ سالانہ تین روپے ششماہی ایک روپیہ گیارہ آنہ ہے اور بیرون ملک کے لئے سالانہ ۴؍ بذریعہ منی آرڈر وصول ہونے چاہئیں وی پی روانہ نہیں ہوگا -

۸ - خط وکتابت وترسیل زر بنام منیجر رسالہ عرفان قصبہ بھرلی سادات ضلع انبالہ ہونی چاہئے -

اغراض ومقاصد

(۱) رد دہریت ونیچریت -

(۲) حقائق اسلامیہ کا اعلان -

(۳) نشر فضائل محمدؐ وآل محمدؐ -

(۴) علوم اہلبیت سے مسلمانوں کو مانوس کرنا

(۵) روحانیت کی طرف دعوت

مشتہرین کو مژدہ

جو حضرات چاہتے ہیں کہ اپنے اشتہارات طبقہ امرا - رؤسا - تعلقداران وجاگیرداران و اکابر ملت تک پہنچائیں تو وہ فوراً عرفان میں اشتہار حاصل کرنے کی سعی فرمائیں کیونکہ صرف تین صفحات اشتہارات کے لئے بڑھائے جانے بالفعل مطلوب ہیں - اجرت اشتہارات کے متعلق ابو القلم سید منیر حسن صاحب منیر زیدی الواسطی مالک مطبع یوسفی دہلی سے خط وکتابت فرمائیں باقی کل خط وکتابت وترسیل زر بنام منیجر رسالہ عرفان قصبہ بھرلی ضلع انبالہ کے پتہ پر فرمائیں -

منیجر رسالہ ہذا

یا فتاح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اکتوبر ۱۹۳۰ء

جمادی الاول ۱۳۴۹ھ

عرفان

جلد ۱ بابت ماہ اکتوبر ۱۹۳۰ء مطابق جمادی الاول ۱۳۴۹ھ نمبر ۱

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
غلامی	۲	القریش	۱۷
قطعہ دربند (نظم)	۸	وقف منصبیہ میرٹھ	۲۴
گول میز کانفرنس	۹	تادیب المجانین	۲۸
لیڈرشپ	۱۰	ترجمہ صافی۔ شرح اصول کافی	از ۱۲۹
مساوات فی الاسلام	۱۱		تا ۱۴۴

مہندسِ ہندی کی ہمشیرہ کا انتقال

جناب حاجی میر سید محمد صاحب ہلوی انجنیر و مہندس عراق مقیم کربلائے معلی کی ہمشیرہ سلطان بیگم صاحبہ رئیسہ قصبہ جلالی ضلع علیگڈھ نے اپنے وطن میں انتقال فرمایا: زائرین عتبات عالیات تقریباً حاجی صاحب کے مشکور ہیں واقف ہیں اسلئے انکی خدمات میں خصوصاً اور جملہ مومنین کی خدمات میں عموماً التماس ہے کہ مرحومہ کیلئے ایک نماز ہدیہ میت پڑھکر ممنون فرمائیں (عرفان)۔ (نوٹ) دیگر اخبارات و رسائل شیعہ سے التماس ہے کہ مضمون بالا اپنے ہاں طبع فرماکر حاجی صاحب کی خدمت فرمائیں جو تمام زائرین ہند کی عراق میں خدمت فرماتے ہیں

غلامی

اعوذ باللہ السمیع العلیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لقد ارسلنا رسلنا بالبینات وانزلنا معھم الکتاب والمیزان لیقوم الناس بالقسط وانزلنا الحدید فیہ باس شدید ومنافع للناس فلیعلم اللہ من ینصرہ ورسلہ بالغیب ان اللہ قوی عزیز۔

ہم نے رسولوں کو بینات ودلائل ومعجزات علمیہ و عملیہ کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب (علم وجودی) اور میزان (معیار حق وباطل) نازل کی تاکہ لوگ عدالت پر قائم رہیں اور ہم نے لوہا نازل کیا جسمیں سخت خوف (جنگ وجہاد) ہے اور لوگوں کیلئے نفع ہے اور تاکہ اللہ کو علم ہوجائے کہ کون اس کی اور اس کے رسولوں کی غیب کے ساتھ نصرت کرتا ہے اور بالتحقیق خدا صاحب قوت اور صاحب عزت ہے۔

ہم میں یہ سخت مرض پیدا ہوچکا ہے اور روزبروز ترقی کرتا جارہا ہے کہ ہم اپنے معاملات کو اپنے مذہبی مسائل کو یورپ کی آنکھوں سے دیکھنے کے عادی ہوتے چلے جارہے ہیں اور یہ ایک طبعی بات ہے کہ جس قوم میں بھی یہ مرض پیدا ہوجائے۔ وہ ہمیشہ اپنے علوم وفنون سے بے خبر اور دوسروں کے خیالات سے متاثر ہوتی چلی جائیگی۔ حتیٰ اینکہ وہ خیالات جزو مذہب بنجائینگے۔ مسلمانوں میں یہ بلا ایک مدت سے آئی ہوئی ہے مثال کیلئے فلسفۂ قدیمہ کے مسائل موجود ہیں جن میں سے اکثر اعتقادی شان اختیار کرچکے ہیں۔ نظام بطلیموس کے خلاف لب کشائی گویا دین کی مخالفت سمجھی جارہی ہے۔ دھوکا یہ ہوتا ہے کہ ان مسائل کو دین کا شارح یا ممدو معاون سمجھا جاتا ہے لہٰذا انہیں دین کا ایک جزو لاینفک سمجھ لیا جاتا ہے۔ جدید تعلیم یافتہ گروہ اس پر قہقہہ لگاتا ہے۔ اسے جہالت سے تعبیر کرتا ہے لیکن جس جہالت کا الزام وہ اپنے رقیبوں کیلئے تجویز کرتا ہے۔ اسی میں خود گرفتار ہے اور ہورہا ہے۔

میرا خیال ہے کہ موجودہ روحیات کا ایک حد تک مجھے علم ہے اور میں محسوس کرتا ہوں کہ کونسی روح آجکل کارفرما ہے آپ بھی اس تجربہ میں شریک ہوسکتے ہیں۔ اور اسکا طریقہ مندرجہ ذیل ہے۔

آپ کسی تعلیمیافتہ مسلم کے سامنے بیان کریں کہ

خدا کے کلام میں ایسا لکھا ہے اور رسول کا یہ ارشاد ہے تو وہ سن لیگا مگر اتنا بھی اثر نہ ہوگا جتنی کہ ماش پر سفیدی لیکن جب آپ یہ کہدیں کہ "ہربرٹ سپنسر" یا "ہکسلے" یا "ڈارون" یا کوئی مغربی فلسفی اس مسئلہ کی تمہید کرتا ہے تو اس کے سامنے سے گویا حجاب اٹھ جائیں گے۔ چودہ طبق روشن ہوجائینگے اور وہ بکشادہ پیشانی اسے قبول کرنیکے لئے آمادہ ہوجائیگا۔ ایک بصیر کی نظر میں آیا یہ شخص "مسلم" ہے؟

کیا آپ نے یہ جملہ کبھی نہیں سنا کہ قال اللہ و قال الرسول سنتے سنتے کان بہرے ہوگئے۔ کچھ اور سناؤ کہ جی لگے کیا اس قول سے آپ مسلمانوں کی روحیات کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔

جیسا کہ عرض کیا گیا یہ مرض پہلے بھی موجود تھا۔ اور آج بھی ہے۔ خصوصاً کچے فلسفی اور متفلسفین خواہ وہ ارسطو و شیخ الرئیس کے تابعین ہوں یا ڈارون و امثالہم کے معتقد سب اسی بیماری میں مبتلا ہیں۔ اسلام خواہ ڈارونی ہو یا ارسطاطالیسی ایک ہی شان رکھتا ہے ہاں فلاسفہ حقہ جنکا مدرک صرف قرآن و حدیث ہے ان کا یہ مسلک نہیں وہ ہر مسئلے کو اسی نور کی روشنی میں دیکھتے ہیں جو مشکوۃ نبوت سے مقتبس ہوتی ہے وہ ہوائے عمومی اور اسمائے مہیب سے متاثر نہیں ہوتے۔ انہیں اسکی پروا نہیں ہوتی کہ ارسطو کیا کہتا ہے۔ افلاطون کا کیا قول ہے۔ اور حضرات فلاسفہ مغرب کیا ارشاد فرماتے ہیں۔ اگر انکی رائے کسی اسلامی مسئلہ میں موافقت کرتی ہے۔ بہتر ہے۔ اور اگر مخالف ہے تو لیس بشئ۔ ان کے مسلک کا خلاصہ اسطرح بیان کیا جاسکتا ہے کہ وہ ہر مسئلہ کو قرآن و حدیث کے معیار پر جانچتے ہیں نہ کہ قرآن و حدیث کے لئے اغیار کی رائے اور ان کے اقوال کو معیار قرار دیا جائے۔

حقیقۃً ایک مومن باللہ کا مسلک یہی ہونا چاہئے میرے خیال میں اس حیثیت سے فقہائے کرام کا مسلک آفات سے سالم ہے اگرچہ بعض جہات سے اسمیں بھی ناقابل برداشت امور داخل ہوگئے ہیں مگر پھر بھی اقرب بہ نجات ہے۔

اس مختصر تمہید کے بعد میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یورپ جو آج تہذیب دنیا کا علم اٹھائے ہوئے ہے غلامی کا سخت مخالف بنے اسے خلاف تہذیب اور خلاف مدنیت سمجھ رہا ہے باوجودیکہ عین اسی حالت میں وہ تمام دنیا کو غلام اور بدترین غلام بنانے کی فکر میں لگا ہوا ہے۔ وہ سیاسی چالیں جو آج یورپ کے رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے ہیں۔ انہیں میں سے یہ ایک سفید چال ہے کہ تمام ظاہر پرست اس کی

تجید و توصیف کے لیئے آمادہ ہیں

میں ان واقعات کو مقام استدلال میں سننا نہیں چاہتا کہ غلاموں پر یہ ستم ہوتے تھے وہ ظلم توڑتے جاتے تھے۔ بلکہ میری نظر محض رسم غلامی پر ہے۔ میری دلیل یہ ہے کہ اگر کوئی حاکم رعایا پر ظلم و جور کرے ہمیشہ ہوا ہے اور ہو رہا ہے خواہ وہ علانیہ ہو یا پوشیدہ گردن تلوار سے اڑائی جائے یا سم تدریجی (Slowpoison سے موسوم کیا جائے) تو کیا اسپر نظر کرتے ہوئے ہم نفس حکومت کو تباہ کرنے کی فکر کرینگے۔ حالانکہ یہ شے تمدن انسانی کیلئے ضروری ہے۔ ہاں ہم زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ حکومت کی اصلاح کیجائے اور بس۔ اسی طرح رسم غلامی میرے خیال میں نہایت ضروری چیز ہے اور اس میں زیادہ سے زیادہ جو ہم سعی کر سکتے ہیں وہ یہی کہ اسمیں اصلاحی شان پیدا ہو جائے۔ بس اتنا ہی کافی ہے۔ باقی ذاتاً رسم غلامی تمدن انسانی کے لئے نہایت ضروری چیز ہے۔

وہ یورپین مصنفین جو شارع اسلام پر ایراد کرتے ہیں کہ انہوں نے غلامی کو باقی رکھدیا بعض معتدلین کے یہ اقوال کہ پیغمبر عرب نے اگرچہ رسم غلامی کو قطعاً نہیں مٹایا لیکن کچھ نہ کچھ اصلاح ضرور کی۔ ان دونوں گروہوں کے خیال میں غلامی کو قطعاً مٹا دینا چاہیئے اور وہ بزور حکومت اسے تقریباً مٹا کر تہذیب انسانی کے ایک جزو اہم کو قتل کر چکے۔

مسلمان اہل قلم جب اس عنوان پر قدم اٹھاتے ہیں تو ان کی تحریروں کا ماحصل یہی ہوتا ہے کہ اسلام نے جو اس رسم میں اصلاح کی اس کا مقصد یہی تھا کہ اس رسم کو بتدریج مٹایا جائے۔ گویا یہ حضرات بھی اس امر میں یوروپ والوں سے متفق ہیں کہ رسم غلامی مٹانے کے ہی قائل ہے۔ اور اسے مٹنا ہی چاہیئے اسوقت پیغمبر اسلام کے لئے یہ امر متعذر تھا کہ دفعتہً اس رسم کو مٹانے کی سعی کریں کیونکہ بہت سے اقتصادی نقصان عائد ہوتے تھے اور ملک کو ایک سخت مصیبت کا سامنا کرنا پڑتا تھا لہذا ایسی شکل اختیار کی گئی جس سے رفتہ رفتہ یہ رسم محو ہو جائے یہ ہے وہ حق دفاع جو مسلمانوں کی طرف سے ادا کیا جا رہا ہے۔

میں یہ عرض کرتا ہوں کہ قرآن و حدیث پر نظر کرتے ہوئے رسم غلامی قطعاً جائز ہے اصلاح کے معنے مٹانے اور محو کرنے کے نہیں ہیں۔ اگر کوئی مبتدی شاعر اپنی نظم کسی استاد کے سامنے بغرض اصلاح پیش کرے تو استاد کا فرض ہے کہ اسی کے شعر میں لفظوں کے ردوبدل سے ایک خوشنما شان پیدا کر دے

یا زیادہ سے زیادہ اسی بتدی لکے خیال کو اپنے خوشنما الفاظ میں بیان کردے اسکا نام تو اصلاح ہے لیکن اگر شعر کاٹ دیا اور اپنی طرف سے جو چاہا لکھدیا تو اس کا نام اصلاح نہیں ہوا کرتا اسی طرح اسلام نے اس مسئلہ میں اصلاح کی ہے اور مٹایا نہیں ہے اور نہ مٹانا عقلاً جائز ہے۔

ابمیں پہلے اس امر پر نظر ڈالتا ہوں کہ تہذیب انسانی کے لئے غلامی ضروری ہے یا نہیں؟ اس کے بعد مجھے اس امر پر بحث کرنی چاہئے کہ انبیا کی بعثت کی غرض و غایت کیا ہے؟

بحث اول - اہل نظر جانتے ہیں کہ تہذیب ان حالات روحی واجتماعی و عائلی و فردی سے عبارت ہے جن کے تحت میں نوع انسان زندگی بسر کرتی ہے انہیں حالات کی خوبی و بدی پر ارتقائے انسانی منحصر ہے یعنی یہ حالات جسقدر بہتر شکل میں ظہور ہونگے اسی قدر خوش بختی انسان میں ترقی ہوگی۔ اور جسقدر ان حالات میں بدنظمی واقع ہوگی۔ اسی قدر سلسلہ مدنیت و تمدن غیر منظم رہیگا۔ ان حالات پر ایک عقلی نگاہ ڈالنے سے پہلے اس نقطہ پر نظر کو پہنچنا چاہئے کہ آخر اس اجتماع و تمدن و تہذیب کی روح اصلی کیا ہے؟ وہ بنیاد کیا ہے جسپر تہذیب و تمدن کی عمارت چنی جاتی ہے؟ معلوم ہے کہ اس اجتماع و جماعت و تمدن کی روح اصلی احتیاج ہے۔ انسان نہ صرف آب و ہوا و زمین و آسمان و شمس و قمر و ستارگان کا محتاج ہے بلکہ اسے باہمی امداد کی بھی ضرورت ہے کہ اس کے بغیر پستی سے بلندی تک پہنچنا ناممکن ہے پھر ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ نوع انسانی میں اختلاف مدارج۔ اختلاف عقول۔ اور اختلاف اخلاق موجود ہے اور ان تمام اختلافات کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ وہ سب کے سب خوب ہیں۔ بہتر ہیں۔ اگر ایسا فتویٰ دیا جائے تو ظاہر ہے کہ تعلیم و تعلم ہر حیثیت سے بیکار ہے۔ لیکن ضرورت تعلیم و تعلم پر تمام نوع انسان کا اتفاق ہے لہذا ہر حالت اور ہر اخلاق کی نسبت خوبی کا فتویٰ نہیں دیا جا سکتا۔

ظاہر ہے کہ سلسلہ تمدن پستی و بلندی سے خالی نہیں رہ سکتا یعنی اسی سلسلہ میں ہمیشہ یہ بات رہی ہے اور رہیگی کہ ایک طبقہ اخلاقی و مدنی حیثیت سے بلند رہیگا اور دوسرا پست۔ پس امداد باہمی پر نظر کرتے ہوئے اس بلند طبقہ کا یہ فریضہ ہوا کرتا ہے کہ اپنے سے پست طبقہ کو بلندی پر لانے کی سعی و کوشش میں اس کے امور ذاتی بھی جو ضروری ہیں

بطور احسن ادا ہوتے رہیں۔

اس کے بعد ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ کسی پست طبقہ کو بلندی پر لانے کے لئے کونسے وسائل کی ضرورت ہے؟ اس کا جواب پہلی ہی نظر میں یہ دیا جا سکتا ہے کہ تعلیم ہی ایک ایسا نسخہ ہے جو تمام امراض کی دوا ہے لیکن میں یہ عرض کرتا ہوں کہ بالکل صحیح ہے۔ تعلیم بھی ان وسائل میں سے ایک عمدہ وسیلہ ہے لیکن اس سے بھی بڑھکر شرکت معاشرت ہے اگر ہم کسی کو واقعاً پستی سے نکالنا چاہیں تو ہمارا فرض ہوگا کہ تعلیم کے ساتھ ساتھ اسے اپنی معاشرت میں بھی شریک کریں بلکہ شرکت معاشرت سے تعلیم کے وہ فوائد جو قرنوں میں حاصل ہوتے دنوں میں حاصل ہو جاتے ہیں۔

یہ شرکت معاشرت اگر حاصل ہو سکتی ہے تو محض رسم غلامی کے ذریعہ سے۔ ہم کسی کو اپنی فیملی کا جزو بنانا چاہیں تو کنیزی اور غلامی سے بڑھکر اور کوئی ذریعہ نہیں ہو سکتا۔ اگر ہم بطور ملازمت کسی کو اپنے گھر میں رکھیں تو کبھی یہ غرض پوری نہیں ہو سکتی اسلئے کہ نوکر نہ اپنے آپ کو اس فیملی Family کا جزو سمجھتا ہے اور نہ وہ خاندان ہی اسکی طرف کوئی خاص التفات کر سکتا ہے۔ البتہ غلام یا کنیز جزو خاندان ہوتے ہیں اور انہیں طبعاً اس خاندان کی روحیات اثر کر جاتی ہیں۔

اسلامی دنیا میں غلاموں اور کنیزوں کو جو ترقیاں میسر ہوئی ہیں اور وہ ایک قلیل مدت میں تمدن کے معیار بلند پر پہنچے ہیں کسی تاریخ داں سے مخفی نہیں۔ کنیزوں کی اولاد تخت وتاج کی مالک ہوئی ہے اور غلاموں نے حکومت کے پرچم اڑائے ہیں۔ اگر وہ عورتیں کنیز نہ بنتیں تو ان کی اولاد کو کبھی یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا اگر وہ غلام نہ ہوتے تو کبھی حکومت کا تخت ان کے قدم نہ چومتا۔ پس اسلام نے جو اس رسم کو باقی رکھا اس سے ادنےٰ طبقہ نے وہ فوائد حاصل کئے کہ آج مدعیان تہذیب کے عہد میں ان کا عشر عشیر بھی حاصل نہیں ہے۔ ان منافقین کے لبوں پر آزادی وحریت ہے مگر دل میں تمام انسانوں کو ذلیل اور پست کرنے کی آرزو ہے۔ امریکہ کی سیاہ فام قوم کے مصائب آج بھی ارباب نظر سے مخفی نہیں ہیں۔

اگر کسی مسلمان نے غلام کے ساتھ بدسلوکی کی ہے تو وہ خود اپنے فعل کا ذمہ دار ہے مگر اس کے مقابل میں دوسرے بیشمار مسلمانوں خصوصاً امراو سلاطین کی بدولت غلاموں اور کنیزوں کو جو تمدنی فوائد پہنچے ہیں اور ترقیاں حاصل ہوئی ہیں

ان کو نظر انداز کر دینا محض تعصب ہے بلکہ اس ارتقا
اور ان فوائد کا جلوہ بعض بعض جگہہ آج بھی سلمانوں
میں موجود ہے۔

اب ہم اس پہلو پر نظر کرتے ہیں کہ خالق حکیم کی طرف
سے بعثت رسل کا جو سلسلہ قائم کیا گیا اس کی غرض
اصلی کیا ہے؟ وہ آیت جسے ہم نے عنوان مقالہ میں
درج کیا ہے اس غرض پر کافی روشنی ڈال رہی ہے
یعنی لیقوم الناس بالقسط لوگ قسط وعدل پر
باقی رہیں۔ اس عدل و اعتدال کے یہ معنی ہیں کہ ہر
طبقہ بلکہ ہر فرد کے حقوق کی رعایت کما حقہ ہوتی
رہے۔

معلوم ہے کہ اجزائے مختلفہ کو ایک مناسبت
خاصہ کے ملانے سے جو ایک مزاج خاص پیدا ہوتا
ہے اسے مزاج معتدل کہتے ہیں اسی طرح مدنیت
کے اجزائے مختلفہ کی آمیزش سے ایک مزاج صحیح
قائم کر دینا قیام بالقسط کا مفہوم ادا کرتا ہے جسطرح
کہ طبیب کا کمال یہ ہے کہ اجزائے نسخہ کی مناسبت و
مقدار رکھتے ہوئے نسخہ مرتب کرے۔ اسیطرح طبیب
تمدن تمام طبقات انسانی کو باہم ملا کر تمدن کا ایک
مزاج صحیح قائم کرتا ہے اور اسی میں انسان کی خوش
بختی ہے اسلئے کہ اگر تمدن صحیح و معتدل پیدا ہو جائے
تو نوع انسان کی عقبیٰ بھی درست ہو سکے گی۔ اور
اگر یہی شور و شر ہے تو نہ کسی کی دنیا درست ہو گی اور
نہ عقبیٰ۔

تمدن موجودہ معلوم نہیں کس بات پر فخر کر سکتا ہے
آیا محض برق و بخار کی نمائش پر؟ آلات مہلکہ کی
بنا پر؟ زہریلی گیسوں (Gases) کی ایجاد پر
دوسرے انسانوں کو پولیٹیکل غلام بنانے پر؟
تمام دنیا کی دولت و ثروت سمیٹتے ہوئے ناجائز
سرمایہ داری پر؟ حیف ہے کہ ایک انسان ان چیزوں کو
موجب فخر و افتخار سمجھے۔ درآنحالیکہ روح انسانیت
اس سے سلب ہو چکی ہے۔ کیا یہ تاسف کا مقام نہیں
کہ جو اشیا نسل انسانی کو تباہ کرنیوالی ہیں ان کی ترویج
کے لئے ہر قسم کی سعی کی جائے اور وہ رسم (غلامی) جو
ادنی کو اعلیٰ منزلت پر بہت جلد پہنچا دیتی ہے۔ ظاہرا
محو کرتے ہوئے دنیا کے سامنے لاف زنی کی جائے
کہ ہم بنی نوع انسان کے ہمدرد ہیں۔

خلاصۂ مقال یہ ہے کہ قانون اسلام غلامی کو
جائز سمجھتا ہے اور اس کے مٹ جانیسے بھی مسلمان
بہت سے دینی و دنیوی فوائد سے محروم ہو چکے ہیں
خیر۔ یہ تو جو کچھ ہے۔ مجبوری کے عالم میں ہے
لیکن اس کے کیا معنی کہ ہم اس رسم کی خرابی پر

یورپ والوں کے ہم عقیدہ ہو جائیں ۔

عیسائیت نے اگر مسئلہ غلامی کی طرف توجہ نہیں کی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس بارے میں بالکل ساکت ہیں تو اس کے معنے صاف ظاہر ہیں کہ حضرت عیسیٰ کی بعثت ایک مصلح کامل کی حیثیت سے نہیں ہوئی اور اسی مسئلہ پر کیا منحصر ہے بلکہ کسی مسئلہ تمدن میں انہوں نے لب کشائی نہیں کی اور جن مسائل میں لب کھولے بھی وہ ایسے ہیں کہ کسیطرح سے نسل انسانی کے لئے ہر زمانہ میں سازگار نہیں ہو سکتے اگر اسلام حضرت عیسیٰ کو بحیثیت نبی و رسول ہمارے سامنے پیش نہ کرتا اور محض تاریخی حیثیت سے وہ ہمارے سامنے آتے تو وہ زیادہ سے زیادہ ہماری نگاہ بلکہ عقلائے دنیا کی نظریں سے زیادہ سے زیادہ ایک ہندوستان کے جوگی کا مرتبہ حاصل کر سکتے تھے اور بس جسطرح کسی جوگی کے اقوال میں تمدن انسانی کے مسائل کا تلاش کرنا عبث ہے اسی طرح حضرت عیسیٰ کے ہاں ان چیزوں کو ڈھونڈنا بیکار ہے ۔

قطعہ در پند

از عالیجناب خان بہادر سید احمد علی صاحب علیم عظیم آبادی

دہرت چو تیرِ جور و جفا را نشانہ ساخت ‌ ‌ ‌ ‌ تزویر او قضا و قدر را بہانہ ساخت

گسترده دامِ حیلہ و تلبیس خرقہ پوش ‌ ‌ ‌ ‌ از اشکِ مکر و سبحہ کید آب و دانہ ساخت

غافل ازیں عجوزہ گیتی دمے مباش ‌ ‌ ‌ ‌ افسون او سرانِ زمان را فسانہ ساخت

بر رُخ کشید غازہ گہ از خاک دلبری ‌ ‌ ‌ ‌ گاہے ز استخوانش پے زلف شانہ ساخت

صہبا گہے زخونِ شہیدے بکام ریخت ‌ ‌ ‌ ‌ گاہے ز کاسۂ سرِ قاتل چمانہ ساخت

ایمن دمے مباش ز سرکوئی جہاں ‌ ‌ ‌ ‌ بنگر چساں سفوف ز در یگانہ ساخت

گر آمدہ بدار جہاں یک دو صد نفوس ‌ ‌ ‌ ‌ ملک عدم جفاش ہزاراں روانہ ساخت

ہشیار کیں عجوز شکم پرور و حریص ‌ ‌ ‌ ‌ بے حد بہ بطن خویش پے خلق خانہ ساخت

احمد اگر زمانہ نہ سازد بتو دلے ‌ ‌ ‌ ‌ باید ترا بہ صبر و سکوں با زمانہ ساخت

نفع عباد و طاعت معبود شیوہ کن ‌ ‌ ‌ ‌ بیکار و بے سبب ید قدرت ترانہ ساخت

تو عندلیب گلشنِ زہراستی علیم

شاید ترا مدامِ احمد ترانہ ساخت

گول میز کانفرنس

آج کل اس فہرست پر جو گول میز کانفرس کے مسلمان شرکا کی شائع ہوئی ہے۔ اسلامی اخبارات میں چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں اور لب لباب اس کا یہ ہے کہ یہ حضرات مسلمانوں کے نمائندہ نہیں ہو سکتے کسی معنی سے بھی۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس شور و شغب کا نتیجہ کیا ہے۔

اگر ہز ہائینس آغاخاں (اپنی ایک شہادت میں قرآن کو اپنے لئے قابل پیروی قبول نہ کرتے ہوئے اور بجائے قرآن اپنی جماعت کو گھینان کی تعلیم دیتے ہوئے) مسلمانوں کے نمائندہ بن گئے تو حیرت کیوں ہے؟

اگر ایک پنجابی صاحب کی صاحبزادی کا اسم گرامی اس فہرست میں نظر آیا تو تعجب کیا۔ اسی طرح دوسرے بعض مسلمان جنکی نسبت کہا جاتا ہے کہ انہوں نے کبھی پبلک مفاد میں حصہ نہیں لیا۔

اصل یہ ہے اگر ہم عبرت سے کام لیں تو تاریخ گذشتہ کے حقائق آج بھی ہمارے سامنے موجود ہیں قوم کی نمائندگی کسوقت انتخاب صحیح کی بنا پر عمل میں آئی تھی جو آج اسکی توقع کی جارہی ہے صرف ایکبار یہ موقع نظر آیا تھا مگر اسی موقعہ پر مسلمان خود عہد شکنی کے لئے تیار ہوگئے اور بصرہ کا میدان لالہ زار بنگیا۔

بات یہ ہے کہ ایسی نمائندگیوں میں قطعاً اثبات کی ضرورت نہیں ہے کہ ان کے دلوں میں پبلک کی یا پبلک مفاد کی کوئی عزت ہو۔ دلیل اسکی ظاہر ہے کہ اگر انہیں پبلک احساسات سے متاثر ہونے کی قابلیت ہوتی تو وہ اس مہم پر آمادہ ہی کیوں ہوتے ان کے لئے بس یہ امر کافی ہے کہ ممبر ہوگئے لہذا ہیں۔ خیر۔ انہیں سے اگر کچھ فائدہ پہنچ جائے تو مسلمانوں کو ایک پیشینگوئی پر نظر کرتے ہوئے صبر و شکر سے کام لینا چاہئے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ اسکی بھی امید نہیں ہے۔

معزز معاصر سرفراز کو شکایت ہے کہ فرقۂ شیعہ کی طرف سے کوئی نمائندہ نہیں لیا گیا۔ ہاں واقعاً حیرت کا مقام تو ضرور ہے وائسرائے کی خدمت میں حضوری ڈپوٹیشن اور سپاسنامہ کا کوئی نتیجہ ہی نہ نکلا۔ لیکن اگر کوئی شیعہ صاحب یعنی شیعوں کی طرف سے منتخب ہی ہو جاتے تو کیا ہوتا؟

حقوق دنیا میں مانگنے سے نہیں ملا کرتے۔ نہ ملے ہیں نہ ملیں گے۔ اب یا صبر و سکون سے کام لو اور یا اتنی اہلیت پیدا کرو کہ حقوق خود ان کے گھروں کو تلاش کرتے ہوئے آئیں۔

میں بالکل صاف اور بلا تقیہ کہنا چاہتا ہوں کہ مسلمانوں کی تو خبر نہیں لیکن اسوقت شیعوں میں وہ کونسے بزرگوار ہیں جو ہر حیثیت سے یہ حق ادا کر سکتے ہیں؟ اگر ایک جماعت ان کی طرفدار ہے تو دوسری مخالف ہوگی۔ کوئی ہستی ایسی نظر نہیں آتی جسپر تمام مختلف الخیال شیعوں کو اعتماد ہو۔ سب سے بڑی چیز شیعوں کے پاس شیعہ کانفرنس ہے اسکی زندگی کے آخری نتائج اسوقت ہی نظر کے سامنے موجود ہیں۔ اور اب اسکے جلسے اچھے خاصے حق تفریق کے منظر ہیں۔ ایسی حالت میں اگر کوئی شخص کانفرنس کی طرف سے پیش کیا جائے تو کانفرنس کے مخالف اسے کب قبول کریں گے؟ اور اگر دوسری پارٹی سے لیا جائے تو کانفرنس کے اراکین اسپر بوچھاڑ کریں گے۔ ان حالات میں کسی شریف النفس اور غیور طبیعت کو میدان میں آنے کی جرأت ہوگی اب ایسا بظاہر کوئی نظر نہیں آتا جس کے سامنے مخالف و موافق سب سر جھکا دیں۔

ہمارا خیال یہ ہے کہ گورنمنٹ نے شیعوں کی اندرونی حالت کا مطالعہ کرتے ہوئے اس فرقہ کو جو نظر انداز کر دیا ہے اسمیں کافی تدبر سے کام کیا ہے میں تو شکایت کی جگہ شکریہ ادا کرتا ہوں بہتر ہے یہ فرقہ گمنامی میں رہے اور اسی گمنامی میں فنا ہو جائے۔

جن اصولوں پر یہ قوم بنی تھی جب وہ اصول ہی برباد ہو گئے یا ہو رہے ہیں تو اب ہمیں خالی لفظ "شیعہ" سے کوئی ہمدردی نہیں۔ یہ رہیں تو کیا نہ رہیں تو کیا؟ - - - مگس چہ خفتہ چہ بیدار۔

لیڈرشپ

یہ وہ عہدہ ہے کہ آجکل ہر شخص اس کا متمنی ہے لیکن مجھے تو یہ تمنا ایک قسم کی بوالہوسی نظر آتی ہے دنیا میں جسقدر لیڈر گذرے ہیں اور دوا قمی لیڈر ہیں ان میں دو امر مشترک معلوم ہوتے ہیں۔ (۱) یہ کہ ان کی پرائیوٹ زندگی اور پبلک زندگی دونوں ایک ہی رنگ میں رنگی ہوئی ہوتی ہیں۔ ان میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں ہوتا (۲) یہ کہ جسقدر اذیتیں ان کو پہنچی ہیں اپنی ہی قوم سے پہنچی ہیں

اور پہنچی چاہئیں (تفصیل کا محل نہیں)۔

ان دو نو باتوں پر نظر کرتے ہوئے جب موجودہ مسلمان لیڈروں کی حالت پر نظر ڈالتے ہیں تو انقلابات روحی پر سخت حیرت ہوتی ہے۔ آجکل لیڈر وہی ہے جو عوام الناس کی حسیات (چاہے وہ صحیح ہوں یا غلط) کے تابع ہو تاکہ کوئی اسکی طرف سے بدظن نہ ہونے پائے۔ باقی رہا دوسرا امر اس کا تو سوال ہی آجکل خلافِ تہذیب سمجھا جاتا ہے یعنی پرائیوٹ زندگی کیسی ہی سیاہ ہو مگر وہ موجودہ عصر کی لیڈر شپ کیلئے حائل نہیں ہو سکتی۔ طبقہ ملایاں پر یہ ایک قدیم اعتراض ہے کہ ؏

جوں بخلوت می روند آں کار دیگر می کنند

مگر ملایان عصر جدید یعنے لیڈر وہ بھی اسی سلک کے سالک ہیں۔ بلکہ وہ قدما تو جو کچھ کرتے تھے پوشیدہ ہی کرتے تھے مگر آج وہی امور علی الاعلان ہو رہے ہیں اب یہ اپنی اپنی قسمت کہ ایک کو گناہ مخفی میں دار پر کھینچا جاتا ہے اور دوسرے کی علانیہ فسق و فجور پر بھی تحسین ہو رہی ہے۔

مساوات فی الاسلام

اسلام کی خوبیوں کو جب ہم شمار کرنے بیٹھتے ہیں تو ان میں ہم کو مساوات انسانی کیلئے ایک نمایاں جگہ نظر آتی ہے لیکن جب ہم اس کی شرح کرنے بیٹھتے ہیں تو مساوات اسلامی اور بالشویک ازم میں صرف نام کا فرق رہ جاتا ہے باقی دونو عین یکدگر کا مصداق۔ سبب اس کا یہ ہے کہ انسانی دماغ جس زمانے میں مطالب حقیقیہ کی گہرائیوں تک پہنچنے سے تھک جاتا ہے تو وہ صرف خوشنما الفاظ تک محدود رہتا ہے۔ وہ سطحی مطالب پر قانع ہوتا ہے اور کبھی حقائق اشیا تک رسائی حاصل کرنیکے درپے نہیں ہوتا۔ شعر و خطابت اصلیت کی جگہ لیتے ہیں اور لفظوں کا انبار مطالب واقعیہ کا جانشین۔

انسانی دماغ اس فلسفہ کو قبول کرنیکے لئے بہت جلد آمادہ ہو جاتا ہے کہ تمام انسان ایک سطح پر نظر آئیں وہ اس کے محاسن اچھے سے اچھے الفاظ میں بیان کرتا ہے۔ عوام کے خیالات بہت جلد اس فلسفے سے اثر لیتے ہیں اور اس عالمگیر اور

ہمہ گیر اثر کو دیکھتے ہوئے ہم حکم لگا دیتے ہیں کہ یہ فلسفہ عین فطرت کے مطابق ہے اسلئے کہ مطابق فطرت ہونیکے یہ معنی لئے جاتے ہیں کہ عام دماغ اسے بآسانی قبول کرلیں۔

فطرت کی موافقت اور مخالفت میں امتیاز کرنا بجائے خود ایک مشکل امر ہے وہ امور ضروریہ جنپر افراد انسان یا نوع انسان کی حیات ظاہری منحصر ہے ہم ان کی نسبت تو بآسانی حکم لگا سکتے ہیں لیکن امور عقلیہ جنکے عدم یا وجود سے حیات ظاہری انسان میں کوئی نقص یا کمال ظاہر نہیں ہوتا۔ ان میں بے محابا حکم لگا دینا ایک قسم کی طغیانی ہے۔ موافقت فطرت کا نغمہ خوش آئند سہی لیکن اسکی کیا دلیل ہے کہ وہ موافق فطرت ہے اور اس حیثیت سے ہے کہ شک و شبہ کیلئے قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔

میں جیسا کہ عرض کر آیا ہوں کہ مساوات انسانی جسے اسلام میں مدنظر رکھا گیا ہے جسے موافق فطرت کہا جاتا ہے اسکی شرح کو دیکھتے ہوئے یا ہم اس بالشویزم ازم قرار دیسکتے ہیں۔ اور اگر تنزل کریں تو رعایتاً اتنا کہہ سکتے ہیں کہ نیم شائستہ قوموں میں ایسی مساوات پائی جاتی ہے اور آج بھی موجود ہے اس مساوات کے لئے اسلام کے صدر اول کے بعض نمونے پیش کرنا عقل کے نزدیک تو ایک قسم کا تمسخر ہے

خلفائے وقت کے دربار میں اگر کوئی عرب آکر خلیفہ وقت پر اپنے صحرائی لہجہ میں اعتراض کرے تو نہ اس معترض کی آزادروی کچھ قابل مدح ہے اور نہ خلیفہ وقت کا بغیر کسی قسم کا اثر لئے ہوئے ساکت ہو جانا قابل ستائش، صحرائی قوموں میں آج بعینہٖ یہی نقشہ موجود ہے اسلام کے صدر اول کی کوئی تخصیص نہیں لیکن ارتقا تہذیب کے ساتھ ساتھ یہ مسلک خود بخود برطرف ہو جاتا ہے اور اسے ہو جانا چاہیے یہ قابل بقائے نہیں ہے اسمیں کوئی حسن نہیں ہے اور یہ قانون "بقائے اصلح" کے ذیل میں نہیں آسکتا۔

اس حد تک یہ مسئلہ بالیقین صحیح ہے کہ وطنیت اور قومیت کے امتیازات اسلام میں نہیں ہیں اگرچہ اس میں بھی تخصیص موجود ہے اور ہم اس کلیہ کو عمومی طریق پر استعمال نہیں کر سکتے اسلئے کہ اخرجوا الیھود والنصاریٰ من جزیرۃ العرب (یہودیوں اور نصرانیوں کو جزیرۂ عرب سے نکالدو) تقدیس وطن کی ایک آہنگ دلربا ہے۔ اسی طرح

اگر قومیت کے متعلق مثال دوں اور مساوات کے متعلق کوئی نمونہ ارشاد نبوی کا پیش کروں تو بد مذاق زمانہ اسے میرے تعصب قومی پر محمول کرے گا اور سب سے بڑھکر یہ کہ جب خود سادات میں اپنے شرف و فضل کے واسطے تحفظ کے ولولے باقی نہیں تو مجھے خواہ مخواہ نیابت کی کیا ضرورت پس ان امور سے قطع نظر کرتے ہوئے میں بھی دنیا کا ہمزبان بننے کیلئے تیار ہو جاتا ہوں کہ ہاں اسلام میں وطنیت یا قومیت کوئی شے نہیں ہے اور تمام افراد کو ایک سطح پر لانے کی سعی کیگئی ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ کس حیثیت سے؟ اس ہم سطحی کے معنی کیا ہیں؟

لیکن اس سے قبل ہمیں فطرت کی حالت پر نظر کرنی ضروری ہے خصوصاً اس لئے بھی کہ اسلام کے متعلق ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ وہ موافق فطرت ہے۔

فطرت عالم کا مشاہدہ ہمیں بتاتا ہے کہ کسی نوع کی دو فردوں میں یکسانیت نہیں پائی جاتی۔ مشابہت تامہ من جمیع الحیثیات غلط اور بالکل غلط۔ مشاہدہ اس کی رد کرتا ہے اور عقل اس کی نفی کیلئے تیار ہے ہر شے اپنے اپنے مقام میں وحدت کی علمبردار ہے اور واحد حقیقی کی نشانی۔ اشیا کا تباین اور افراد کا تخالف۔ یہ ایسی چیزیں ہیں کہ نظر سے چھپ نہیں سکتیں۔ ایک درخت کی دو کونپلیں ایک شجر کی دو پتیاں۔ ایک شاخ کے دو پھول کچھ نہ کچھ مباینت ان میں ضرور ہوگی۔ حتی انکہ ایک پھول کی دو پتیوں میں بھی اختلاف پایا جائیگا۔ یہی تو اختلاف ہے جسکی بنا پر دوئی متحقق ہوتی ہے۔ ہم "دو" کو "دو" اسی وقت کہہ سکتے ہیں جب ان میں اتحادی شان کے ساتھ ساتھ کوئی امتیازی رنگ بھی پایا جائے۔ پس اس کلیہ سے نوع انسان کو بھی مستثنیٰ نہیں کیا جا سکتا۔ دو انسان جسطرح ظاہری خط و خال اور رنگ روغن میں الگ ہیں۔ اسی طرح ان کا باطن بھی الگ ہے۔ اور جب یہ چیزیں الگ ہیں تو لامحالہ انکے احکام بھی الگ ہونگے۔

قلم قدرت کی اس بے مثال نقاشی پر دل تڑپ اٹھتا ہے۔ صنعت انسانی کا کمال یہ ہے کہ جب وہ انتہا پر پہنچے تو اسکی مصنوعات سب ایک یکرنگی کا حسن لئے ہوئے ہوں۔ ایک خوشنویس کا کمال یہ ہے کہ وہ ہزار "جیم" لکھے۔ لیکن ہر "ج" کے دائرے اور نوک پلک میں بال برابر فرق نہ آئے اگر فرق آگیا تو سمجھو کہ "ج" کا حسن غارت ہو گیا۔ لیکن قدرت کا مذاق اس سے مختلف ہے وہ لاکھوں حروف لکھتی ہے۔ لکھتی چلی جا رہی ہے لیکن ہر حرف دوسرے حرف سے الگ ہے اور پھر حسن کی شان میں فرق

نہیں آنے پاتا، وہی دلکشی ۔ وہی دلربائی ۔ وہی انداز۔
خلاصہ یہ ہے

کہ ہر صورت کلیجہ سے لگالینے کے قابل ہے

قدرت کی اس تصویر کشی کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے
کہ اشیاء باہم متحد نہیں ہیں یعنی کلی حیثیت سے ان میں
اتحاد نہیں پایا جاتا اور منجملہ دیگر اشیا انسان بھی ایک
نوع خاص ہے اور اس کے افراد کا بھی یہی حال ہے
لہذا اس کے تمام افراد کو ایک ہی سطح پر لے آنے کی
سعی کرنا یا اس کا دعوی کرنا کسیطرح مفید نہیں ہو سکتا
اگر دعوے کیا بھی جائے تو وہ بے سود ہوگا عملی حیثیت
سے دنیا میں اسکا کبھی ظہور نہیں ہو سکتا اور اگر چند روز
کے لئے ہو بھی تو کبھی نظام تمدن درست نہیں رہ سکتا
فتنہ فساد شور و شر۔ قتل و غارت۔ کشت و خون ۔
بداخلاقیاں ۔ بے ادبیاں ۔ بیٹے کے ہاتھ اور باپ کی
ڈاڑھی (بشرطیکہ ہو) بیٹی کا چنگل اور ماں کی زلفیں ۔
(بشرطیکہ باقی رہ جائیں) اسی ہولئے مساوات کے عمدہ
نتائج ہیں جو آجکل پورے زور سے چل رہی ہے ۔

اب ہم اس پہلو پر نظر کرتے ہیں کہ اشیاء عالم جب
باہم مختلف ہیں تو بادی النظر میں یہ نتیجہ نکلنا چاہیے
کہ ہر شے کیلئے ایک حکم خاص ہو لیکن ایسا بھی نہیں ہے
بلکہ عقل یہ کہتی ہے کہ متحدہ احکام بھی ہونے چاہئیں

اور احکام شخصیہ کا بھی جلوہ ہو۔ متحدہ حیثیت پر نظر
کرتے ہوئے مساوات کا دعوی اگر کیا جائے تو
صحیح ہوگا اور حیثیت اختلاف کی بناء پر عدم مساوات
یقینی رہیگی ۔

توضیح اس کی یہ ہے کہ نوع کی تعریف اہل عقل
کے ہاں یہی ہے کہ نوع کا اطلاق ان تمام افراد پر
ہوتا ہے جن کی حقیقت متحد ہو یعنی ان افراد کی حقیقت
تو ایک ہوتی ہے لیکن شخصی حیثیت سے فرق ہوا کرتا
ہے ۔ جیسے کہ انسان ۔ گھوڑا ۔ وغیرہ ۔ پس ایک شے
یعنی انسانیت اور فرسیت تو ان میں مشترکہ حیثیت سے
پائی جاتی ہے لیکن شخصی حیثیت سے بالیقین فرق
ہے پس اس حقیقت پر نظر کرتے ہوئے یہ سب مساوی
ہیں لیکن شخصی حیثیت پر نظر کرتے ہوئے بالیقین ان
میں مساوات نہیں ہے ۔ پس وہ مساوات جس کی
تعلیم اسلام میں دی گئی ہے اس کے معنے یہی ہو سکتے
ہیں کہ بعض احکام میں کل انسان متحد ہوں ۔ وہ حکم
تمام انسانوں پر حاوی ہو اور بعض احکام میں حالات
شخصیہ پر نظر کرتے ہوئے اختلاف بھی پایا جائے
اس صورت میں یہ مسئلہ معیار فطرت پر پورا اتر سکتا ہے ۔

نوع انسان کے قیام کی اس دنیا میں حالت
جسکا دوسرا نام تمدن ہے ۔ اس کی بنیاد اسی پر ہے

کہ حالاتِ شخصیہ متفاوت ہیں اگر یہ تفاوت قطعاً اٹھ جائے تو مدنیت برباد۔ تمدن غارت۔ نظام عائلی تباہ۔ نظمِ مدنی مفقود۔ ایک اچھا خاصہ حیوان مطلق کی زندگی کا نمونہ ہوگا جو عالم انسانیت پیش کریگا۔

آجکل تمول اور سرمایہ داری کے خلاف جنگ ہو رہی ہے اور عام نعرہ یہ ہے کہ اس شے کو مٹا دیا جائے بلکہ لفظ "غربت" و "امارت" دنیا سے محو کر دئے جائیں۔ نہ کوئی امیر ہو نہ غریب سب انسان ایک حالت میں زندگی بسر کریں لیکن ظاہر ہے کہ یہ آواز عقل کے پردوں سے بلند نہیں ہوئی بلکہ افلاس اور اپنی بدبختانہ زندگی سے اکتا کر نفس پکار رہا ہے کہ یہ لوگ اس عیش و آرام میں بسر کر رہے ہیں اور میں اس ذلت میں گرفتار ہوں۔ لہذا بہتر یہی ہے کہ اگر میں انکی سطح پر نہ آسکوں تو یہی میرے نقطہ پر آجائیں۔ اگر میں خوش بخت نہیں ہوں تو ان کو خوش بختی کا کیا حق ہے اگر میں مفلس ہوں تو یہ کیوں زردار ہیں۔ اگر میں فاقہ کش ہوں تو یہ کیوں پیٹ بھر کر روٹی کھا رہے ہیں ظاہر ہے کہ یہ خیالات قطعاً معقولیت سے بری ہیں۔

اصل یہ ہے کہ نہ تمول کوئی بری شے ہے نہ سرمایہ داری۔ نہ افلاس میں کوئی خرابی ہے نہ غربت ہیں بشرطیکہ یہ دونو گروہ اپنے اپنے فرائض کو سمجھنے والے ہوں۔ فرائض شرعی سے بحث نہیں بلکہ فرائض تمدن بھی کچھ چیز ہیں کہ جسقدر ان فرائض کی ادائیگی ہوتی رہتی ہے اسیقدر نوع انسان سعادت دنیوی سے سرفراز ہوتی ہے غرض نفس تمول اور نفس سرمایہ کو یہ عقل برا کہتی ہے نہ تمدن کیلئے مضر ہے اس کے عیوب کا اعلان اور وہ بھی "مساوات" کے پردے میں انہیں لوگوں کی طرف سے ہوتا ہے جو یا تو کشمکش حیات میں پس افتادہ رہ گئے ہیں ان کے معاصر ترقی مادی کے آسمان پر پہنچ چکے ہیں اور یہ ابھی زمین سے دو انچ بھی بلند نہیں ہوئے اور یا بعض ایسے نفوس ہیں کہ غربت و افلاس عمومی کو دیکھکر ان کا دل کڑھتا ہے وہ چاہتے ہیں کہ عوام اس پھندے سے نکلیں۔ ان بیچاروں کی نیت تو درست ہے لیکن طریقہ کار اور روش عمل غلط ہے۔

غرض اسلام ہرگز اس مساوات کا معلم نہیں ہے جو اسوقت اذہانِ عوام میں مرکوز ہو رہی ہے اسلام اگر ایک وقت میں شاہ و گدا کو پہلو بہ پہلو کھڑا کر دیتا ہے تو دوسرے مقام پر حفظ مراتب کے آداب بھی موجود ہیں بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ یہ طریقہ عین عدل و حکمت کا طریقہ ہے نہیں بلکہ یوں کہیے کہ قدرت کا طرز عمل یہی ہے۔

ملاحظہ کیجیے کہ فیض ربوبیت کی شان کیا ہے ؟
سورج نکلتا ہے ایک غریب کے جھونپڑے پر بھی
اسیطرح چمکتا ہے جیسے بادشاہوں کے قلعوں پر
بارش کا قطرہ پھول کی پتی پر بھی جگہ لیتا ہے اور
ارقوم کی ٹہنیوں پر بھی - ہوا ہر ادنیٰ ہستی اسی طرح
فائدہ اٹھانے کی حقدار ہے جیسے کہ ایک اعلیٰ ہستی
فرش زمین سب کیلئے یکساں اور آسمان کا شامیانہ
ہر مخلوق مادی کے سر پر سایہ افگن یہ ایک فیض عام ہے
جس میں ہر مخلوق اپنے مرتبے کے موافق حصہ دار ہے
ہر شخص کو مل رہا ہے پہنچ رہا ہے - اس میں کوئی تخصیص
نہیں - کوئی خصوصیت نہیں لیکن اب دوسرے پہلو پر نظر
کرو نظم عالم اس بات پر رکھا ہے کہ کسی کو کم دیا جائے
کسی کو زیادہ - مسئلہ رزق اور دولت و ثروت کی کمی بیشی
ایک حسّی چیز ہے اور اس سے مفر نہیں - پس ظاہر ہے
کہ اس معاملے میں قدرت نے مساوات پر عمل نہیں کیا -

یہی روش اس معاملے میں اسلام کی ہونی چاہئے
اور ہے - اسلام میں مساوات کی تعلیم ضرور موجود ہے
مگر اسکا یہ مقصد نہیں ہے کہ حفظ مراتب کا خیال اٹھا دیا
جائے - یا یہ کہ تمام انسانوں کو ایک سطح پر لانے کی
کوشش کیجائے -

اسلامی تعلیم کا لب لباب یہ ہے کہ ہر مسلم اپنی
عزت کرنا سیکھے مگر اس کے یہ معنے نہیں ہیں کہ دوسروں
کی بے عزتی کر کے خود عزت حاصل کرے بلکہ ہر
فرد مسلم دوسرے کی عزت کرے کہ اسی میں قوم
کی عزت کا راز مضمر ہے نہ کہ غوغائے مساوات میں -

وہ مذاہب جو کسی حیثیت سے بھی نوع انسان
میں مساوات کے قائل نہیں ہیں وہ یقیناً غلطی پر
ہیں اور کوئی شک نہیں کہ یہ مسئلہ بھی ایک حد تک
معیار صداقت ہے جسپر سوائے اسلام اور کوئی مذہب
پورا نہیں اتر سکتا - لیکن مصیبت یہ ہے کہ مسلمان جس
طرح ہر مسئلہ میں نقطۂ عدل و اعتدال سے دور نکل
چکے ہیں اسی طرح اس مسئلہ میں بھی ان کا رویہ نظر آرہا
ہے جب یہ مساوات انسانی کا درس دیتے ہیں تو
پھر کوئی پہلو ایسا نہیں چھوڑتے جس میں ان کے
نزدیک مساوات کا جلوہ نہ ہو اور جب امتیازات
و تخصصات کا جنوں سوار ہوتا ہے تو یہ ہر جائز الخطا
ہستی کو خدا و رسول کی مسند پر بٹھانے سے نہیں چوکتے
غرض عجب بے سری فوج ہے - خود سری ہے تو
اتنی کہ ہر شخص اپنے اپنے مقام پر فرعون بے سامان
اور بندگی ہے تو ایسی کہ ہر فاسق و فاجر کے سامنے
سجدہ کرنیکو موجود - پھر ایسی قوم سے کیا امید ہو سکتی
ہے کہ وہ مذہب کے کسی صحیح اصول پر قائم رہیگی یا اسے

دنیا کے سامنے پیش کر سکے گی - یہ مسلمان تھے جنہوں نے ... رسول کے جو صحابۂ کرام اور مسلمانوں نے مساوات کی صحیح مثال پیش کی ہے *

القریش

یہ ایک رسالہ ہے جو مہینہ میں دوبار امرتسر سے نکلتا ہے اس رسالہ کا مقصد قریشی حضرات کو ایک نقطہ پر جمع کرنا ہے تاکہ وہ سب مل کر اپنی قدیم بزرگی کی علماً و عملاً حفاظت کریں میں نے اس رسالہ کے متعدد نمبر دیکھے ہیں۔ اس کی پالیسی معاندانہ پالیسی معلوم نہیں ہوتی۔ میں نے کئی دفعہ چاہا کہ اس معزز معاصر کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کروں لیکن اسوقت تک موقع نہ ہو سکا۔ اتفاق سے ایک بات سامنے آئی جس سے کچھ خیالات میں تحریک ہو گئی۔

قبل ازیں اس رسالے سے ایک اور مطلب کا بھی انکشاف ہوا تھا وہ یہ کہ پنجاب کے میراسیوں نے قریشیت کا دعویٰ کیا تھا انکی تردید اس رسالہ میں دیکھی گئی لیکن طرفین کے دلائل کلی طور پر نظر سے نہیں گزرے لہذا میرے لئے فیصلہ کرنا مشکل ہے۔ مگر ایک خیال پیدا ہوتا ہے کہ میراسی (گانے بجانے والی قوم) بایں حیثیت کہ میراسی ہے۔ قریشیت سے کوئی منافات نہیں رکھتا اس لئے کہ قریش ایک اسم جامع ہے جو متعدد خاندانوں پر حاوی ہے۔ یعنی اس شجر کی بہت سی شاخیں ہیں۔ اسی کثرت پر نظر کرتے ہوئے اس قبیلہ کو قریش کہا جاتا ہے۔ کیونکہ قرش اس مچھلی کو کہتے ہیں جو سب سے بڑی ہوتی ہے اور یہ قبیلہ بھی دیگر قبائل سے کثرت میں بہت بڑھا ہوا تھا اس لئے قریش کہلاتا ہے۔ ان میں اچھے بھی تھے۔ برے بھی۔ وضیع بھی۔ شریف بھی۔ اعلیٰ بھی۔ ادنیٰ بھی۔ ان میں گانے والے بھی تھے اور ان میں ذوات الاعلام (جھنڈے والیاں) بھی تھیں پس ایسے لوگوں کی اولاد اگر ہندوستان میں آکر اپنے قدیم پیشہ کی عامل ہو تو قریشیت کے انتساب سے معلوم نہیں ان میں کونسا سرخاب کا پر لگ جائیگا یہ تو ایک بوالہوسی ہے اور خیالی تفاخر جو اصلیت سے قطعاً مبرا ہے اگر وہ واقعتاً قریشی بھی ہوں تو پھر اس سے حاصل؟ اور اگر تاریخی حیثیت سے بھی یہ انتساب غلط ہو تو پھر تو یہ دعویٰ حماقت بالائے حماقت ہے۔

امر دوئم یہ ہے کہ قریش میں متعدد خاندان ہیں۔ ہاشمی۔ اموی۔ تیمی۔ عدوی وغیرہ وغیرہ اور ان خاندانوں کے افراد ابتداء ہی اپنے اپنے خاندانوں سے

منسوب تھے۔ لیکن ہندوستان میں جو حضرات اپنے آپ کو فقط قریشی لکھتے ہیں تو اس انتساب سے یہ پتہ نہیں لگ سکتا کہ ان کا تعلق کونسے خاندان سے ہے مثلاً میں فاطمی ہوں، علوی ہوں۔ ہاشمی ہوں پس ہر لحاظ میں قریشی یا قریشی ضرور ہوں اور ہر صاحب فہم اسی نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے۔ لیکن اگر میں فقط قریشیت کا دعویٰ کروں تو سننے والا کیونکر اندازہ لگا سکتا ہے کہ میں ہاشمی ہوں یا اموی۔ تیمی ہوں یا عدوی اسلئے اگر معزز معاصر حضرات قریشیان ہند میں اس تحریک کو پیش کرے تو نامناسب نہیں ہے۔

اسوقت جو چیز محرک ہوئی ہے وہ جناب مولانا حکیم فرید احمد صاحب عباسی پرنسپل طبیہ کالج دہلی کا خطبہ صدارت ہے جو ندوۃ القریش میں دیا گیا اور ظاہر ہے کہ ایسے موقعوں پر جو خطبے دئیے جاتے ہیں ان کی غرض یہی ہوتی ہے کہ بے حس قوم میں حرکت پیدا ہو اور اس مقصد کو مدنظر رکھتے ہوئے بسا اوقات خطیب بعض واقعات سے چشم پوشی کرتا ہے اور صرف ان چیزوں پر نظر رکھتا ہے جو اس کی ممد و معاون ہو سکیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اس خطبہ کا ایک حصہ نقل کرتے ہوئے جو ایک تاریخی شان رکھتا ہے اسپر ایک سرسری تبصرہ کر جاؤں۔

لیکن اس سے قبل یہ عرض ہے کہ انجمن کا نام "ندوۃ القریش" کچھ کھٹکتا ہے۔ میں اس لحاظ سے ایراد کا حق رکھتا ہوں اسلئے کہ فاطمی ہوں ہاشمی ہوں۔ قریشی ہوں۔ اگر مذہبی اختلاف ہے تو وہ اختلاف مجھے قریشیت سے الگ نہیں کر سکتا لہذا ہر اس مسئلہ پر جسکا قریشیت سے تعلق ہو مجھے اظہار خیال کا حق حاصل ہے۔

معلوم ہے کہ مکہ میں جہاں قریش مشوروں کے لئے جمع ہوتے تھے وہ دار الندوہ کہلاتا تھا اور اسی مکان میں سب سے پہلے اسلام کی مخالفت میں ندوۃ القریش کا قیام ہوا جسمیں رسول اللہ کے قتل کی تجویزیں پاس ہوئیں۔ لہذا یہ نام کچھ برکت نہیں رکھتا اسکو ضرور بدل دینا چاہئے۔

اب خطبہ کا ضروری حصہ نقل کیا جاتا ہے۔

حضرات! آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلے جب امتداد زمانہ کی بنا پر انبیا علیہم السلام کی تعلیمات زائل ہونے لگیں تو پروردگار عالم نے حضور سرور عالم کو خاتم النبیین بنا کر بھیجا اور یہ بھی انتظام کر دیا کہ آپ کے دین کی حفاظت بھی بذریعہ اتم ہوتی ہے تاریخ گواہ ہے کہ اس کے لئے چند صورتیں اختیار فرمائیں۔

(۱) یہ کہ حضور کی حقیقی وراثت روحانی قرار دی اور بفحوائے من سلك علیٰ طریقتی فھو آلی یعنی جو شخص میرے طریقہ پر چلا وہ میری آل میں سے ہے جیسا کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی بابت ارشاد ہوا تھا۔ سلمان منا اھل البیت یعنی سلمان ہمارے اہلبیت میں سے ہے۔ باقی وہ لوگ جو حضور کے خاندان اور حضور کے قبیلہ کے ہونگے اور حضور کے اسوہ حسنہ پر پورے پورے عامل ہونگے ان کے درجات اور مراتب اس بارے میں اوروں سے ضرور بڑے ہوئے ہونگے کیونکہ ان کو روحانی وجسمانی دونو تعلق ہیں۔ ایسے لوگ وراثت کے پورے پورے حامل ہونگے۔ یہ مرتبہ قریش کو حاصل ہے۔

(۲) جو کتاب ہماری ہدایت کیلئے نازل فرمائی ہے اسکی حفاظت کا یہ بھی انتظام کیا ہے کہ مسلمان اسکو حفظ کر لیتے ہیں اور اس کی کتابت کا بھی انتظام رکھتے ہیں چنانچہ بڑے بڑے خلفا اور سلاطین اس کی کتابت کو اپنا فخر سمجھتے رہے ہیں (۳) اسلام کو کسی سلطنت کے تابع نہیں کیا جب کوئی قوم علمبردار ہوئی اور اس نے اوامر و نواہی کی تعمیل میں کوتاہی کی اور کافروں کو مسلمان کرکے اسکا علمبردار بنا دیا گیا۔ اب بھی خدا کے فضل سے مسلمانوں میں حفاظت دین کیلئے مختلف قوموں میں حکومتیں ہیں مگر ایک مرکز اسلامی کی ضرورت ہے اور اسکی ضرورت ہے کہ تمام اہل اسلام ایک لڑی میں منسلک ہو جائیں اور ایک مرکز کے تحت میں کام کرنے لگیں۔

اس کے بعد جناب خطیب ممدوح نے فضائل قریش کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ حضرت خیرامۃ عبداللہ بن عباسؓ حضور کا ارشاد ہے فضل اللہ قریشاً بسبع خصائل بانی منھم وان النبوۃ فیھم والحجابۃ فیھم والسقایۃ فیھم وعبدوا اللہ عشر سنین لایعبدہم غیرھم ونصرھم اللہ علی الفیل وانزل فیھم سورۃ لم یذکر فیھا احدا۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے قریش کو سات باتوں کی بنا پر فضیلت عطا فرمائی (۱) میں انمیں سے ہوں (۲) نبوت انمیں ہے (۳) دربانی بیت اللہ کے یہی ہیں (۴) سقایۃ حجاج جیسی عظیم الشان خدمت انہیں کے سپرد ہے (۵) دس برس انہوں نے خدا کی عبادت کی کہ تمام جہاں میں ان کے سوا اور کوئی نہیں کرتا تھا۔ (۶) اصحاب فیل جیسے شدید حملے کیوقت خدا نے ان کی مدد فرمائی ایسی مدد کہ تھوڑی سی دیر میں دشمن کو برباد کر دیا (۷) اپنے

۴- [illegible]

کلام میں ایک سورت ایسی بھی نازل فرمائی کہ انکے
سوا اسمیں کسی اور کا ذکر نہیں ہے۔ وہ "لایلاف" ہے
جناب ابوطالب نے جب خطبہ دیا تو قریش کی تعریف
میں مختصر الفاظ سے تمام فضائل کو جمع کر دیا فرماتے
ہیں یا معشر القریش انتم صفوۃ اللہ من
خلقتہ وانتم قلب العرب اے گروہ قریش
تم اللہ کی مخلوق کے خلاصہ اور تم عرب کے لئے
بمنزلہ دل کے ہو۔ کھلی ہوئی بات ہے کہ حضور کی
تشریف آوری کا انتظام کوئی اتفاقی امر نہیں تھا
بلکہ ایک نہایت محکم ارادۂ ربانی کے تحت تھا۔
نور محمدی کی حفاظت اور نفس محمدی کی تربیت کیلئے
جو جو طریقے جناب باری عز اسمہ نے اختیار فرمائے
ہیں وہ اظہر من الشمس ہیں ایک حدیث جس کے
راوی حضرت عباس عم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
ہیں وہ یہ ہے کہ ان اللہ حین خلق الخلق
جعلنی من خیر خلقہ ثم حین خلق القبائل
جعلنی من خیرھم قبیلۃ وحین خلق الانفس
جعلنی من خیر انفسھم ثم حین خلق البیوت
جعلنی من خیرھم بیتا ا ر ذاتا واصلاً یعنی جب
اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا تو مجھکو بہترین
مخلوق میں سے پیدا کیا پھر جب قبائل کو پیدا کیا
تو مجھکو بہترین قبیلہ میں سے پیدا کیا پھر جب نفوس
کو خلق کیا تو مجھے بہترین جانوں سے پیدا کیا اور جب
گھر بنائے تو مجھکو بہترین گھروں سے پیدا کیا۔ اس
امر کی طرف اشارہ ہے کہ تقلبک فی الساجدین
جسکی تفسیر حضرت ابن عباس نے یہ فرمائی ہے کہ
نور محمدی حضرت آدم علیہ السلام کو مفوض ہوا پھر
وہ نور ایک نبی سے دوسرے نبی میں منتقل ہوتا رہا
یہانتک کہ وہ نور قریش میں آیا اور قریش سے
بنی ہاشم میں بنی ہاشم میں سے جناب عبد المطلب
کے بعد جناب عبد اللہ اور ان سے حضرت آمنہ
صلوۃ اللہ علیہا کو مفوض ہوا اس طریقہ سے حضور
ہزاروں جاہ وجلال کے بعد دنیا میں رونق افروز
ہوئے الخ

اس تحریر کے خط کشید فقروں کے متعلق مختصراً
عرض کیا جاتا ہے۔ جناب خطیب زید مجدہ نے
حفاظت دین محمدی کی چند صورتیں قرار دی ہیں
اور ان سے پہلی صورت یہ ہے کہ آپ کی وراثت
روحانی قرار دی ہم نہیں سمجھ سکتے کہ یہ مضمون جناب
نے کہاں سے استنباط فرمایا ہے دوسرے یہ کہ
وراثت کو اگر روحانی قرار دیا جائے تو اس سے
حفاظت دین محمدی پر کونسا خاص اثر پڑتا ہے۔

اہل فہم جانتے ہیں کہ کوئی نبی ہو کوئی وصی ہو
کوئی عالم ہو وراثت روحانی سب کے لئے ہے اور
وراثت روحانی کے یہی معنے ہوتے ہیں کہ سابق کے
کمالات لاحق کے ذریعہ سے اشاعت پاتے ہیں
تو اس امر میں حضرت خاتم الانبیا کی تخصیص نہیں ہے
یہ وراثت سب جگہ موجود ہے اور تمام علوم و کمالات
سابقین کا وجود آج ہمارے سامنے ایسے ہی ورثا
کے ذریعہ سے ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ آنحضرت کی
وراثت صرف روحانیت میں منحصر ہے تو یہ امر خود
کلام جناب خطیب کے مفاد سے مخالف ہے
کیونکہ وہ قریش کو اسی بنا پر فضیلت دے رہے ہیں
کہ ان کو روحانی و جسمانی دونو تعلق حاصل ہیں لہذا
وہ وراثت کے پورے پورے حامل ہونگے؟
معلوم ہے کہ وراثت کا کامل طور سے حامل ہونا
یہی ہے کہ انسان اپنے بزرگوں کا جسطرح جسمانی
وارث ہوتا ہے اسیطرح روحانی وارث بھی ہو جناب
خطیب نے اس وراثت کو کاملہ تمام قریش تک پھیلایا
ہے البتہ تعجب کا محل ہے اخذ بالشجر واضع
الثمر - درخت کی گرفت ہوئی ہے لیکن ثمر کو ضایع
کیا گیا ہے یہ وراثت بطور کمال یعنی جسماً و روحاً
اگر کہیں متحقق ہو سکتی ہے تو صرف فاطمہؑ اور بنی فاطمہ
ہیں اور اگر بر سبیل تنزل تمام قریش کو بھی شامل
کیا جائے تو بھی بلا شک و شبہ بنو فاطمہ ان کے
افراد اعلیٰ ہیں مگر افسوس کا مقام ہے کہ اس امر سے
پہلے بھی غفلت برتی گئی اور جناب خطیب زاد فضلہ
بھی اسی طرح چشم پوشی فرما رہے ہیں آج حقیقی طور
سے اگر کوئی وراثت رسول کا مدعی ہے تو وہ صرف
بنو فاطمہ ہیں دوسرے قریشی حضرات کو ہرگز حق نہیں
پہنچتا حتی اینکہ جناب سلمان رضی اللہ عنہ بھی ان کے
مقابل نہیں آسکتے اس سے بڑھکر یہ کہ سادات علویہ
کا بھی بنو فاطمہ کے مقابل میں یہ حق نہیں ہے صرف
بنو فاطمہ ہی وہ لوگ ہیں جن سے رسول کی نسل قائم
ہے - یہی لوگ بشارت قرآنی (انا اعطیناک الکوثر)
کے مصداق صحیح ہیں ورنہ عام قریش تو حضرت کو
ابتر کہا کرتے تھے -

وہ حدیث جو جناب خطیب نے بیان فرمائی ہے
جس میں قریش میں سات خصلتیں بیان کی گئی ہیں
وہ بھی واقعات کو دیکھتے ہوئے قابل نظر ہے -

یہ امر مسلمہ تاریخ ہے کہ حضرت رسول اللہ نے تیرہ
برس مکہ میں گزار دئے اور اس عرصہ میں قریش کے
ذی وجاہت لوگوں کی طرف سے سوائے بغض
وعناد اور کوئی امر ظہور میں نہیں آیا - قریش میں سے

وہ لوگ جو اسلام لائے تھے وہ بھی کچھ ذی اثر لوگوں میں شمار نہ ہوتے تھے۔ غیر تو غیر بنو ہاشم میں سے ابولہب ایک دشمن اعلیٰ تھا خود جناب عباس رضی اللہ عنہ واقعہ بدر میں گرفتار ہوکر مسلمان ہوئے ہیں اب معلوم نہیں وہ کونسے دس برس ہیں جن میں تمام قریش عبادت الٰہی کرتے رہے چند افراد کے نماز پڑھنے کا اثر (اور وہ بھی پوشیدہ طور سے) تمام قریش تک کیونکر پہنچتا ہے اور اس سے قریش کے لئے کونسے افتخار کی صورت نکلتی ہے۔ سرداران قریش نے اسلام قبول نہیں کیا۔ یہانتک کہ جنگ بدر نے ان کا خاتمہ کردیا اور چاہ "قلیب" نے ان کی لاشیں ڈھانپ لیں۔ قریش نے ہی رسول کو مکہ سے نکالا قریش نے ہی پیغمبر کے ساتھ بائیکاٹ کیا اکثر قریشی جو اسلام لائے وہ فتح مکہ کے بعد اور وہ سب کے سب مولفۃ القلوب میں داخل ہیں

اسی طرح سقایت حاج (حاجیوں کو پانی پلانا) اور آبادیٔ مسجد الحرام کا مسئلہ ہے قرآن اس افتخار کی نفی کرتا ہے۔ اجعلتم سقایۃ الحاج و عمارۃ المسجد الحرام کمن آمن باللہ و بالیوم الآخر وجاھد فی سبیل اللہ الخ (کیا تم سقایت حاج اور تعمیر مسجد الحرام کو اس شخص کے مانند سمجھتے ہو جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لایا جس نے جہاد فی سبیل اللہ کیا) پس قریش کی طرف سے اصلی روح اسلام یعنی ایمان باللہ اور جہاد فی سبیل اللہ کے متعلق کوئی امر خاص ظہور میں نہیں آیا (بنی ہاشم سے قطع نظر کرکے) اور آتا کیسے۔ ابتدائی معرکوں میں قریش ہی تو مدمقابل بنے ہوئے ہیں۔ انہیں پر تو جہاد ہو رہا ہے۔

علی ہذا سورۂ لایلاف کا حال ہے۔ اس سورہ میں قریش کی کوئی مدح نہیں بلکہ اظہار امتنان ہے یعنی تم پر ہماری یہ نعمتیں نازل ہوتی ہیں اور پھر بھی تم ناشکرے بن رہے ہو۔ اسمیں کونسی فضیلت ہے اگر یہی استدلال ہے تو کہنا پڑیگا کہ سورہ رحمٰن تمام انس وجن کے فضائل کی داستان ہے۔

تعجب یہ ہے کہ قریش کی فضیلت کے اظہار میں ایسی سورت سے تو استدلال جائز ہے کہ جس سے فضیلت کا کچھ بھی تعلق نہیں بلکہ عاقل کے نزدیک اسمیں قدح وذم کے پہلو نکلتے ہیں لیکن جن افراد خاصہ کے بارے میں تمام قران سے قطع نظر کرتے ہوئے ایک پورا سورہ (ہل اتی) نازل ہوا ہے۔ وہ نظر انداز کرنیکے قابل سمجھے گئے ہیں یا العجب۔ الغرض ان حقائق پر نظر کرتے ہوئے یہ

حدیث قطعاً موضوع ہے اور پیغمبر کے بعد قریشیوں نے اس حدیث کو تراشا ہے۔

اسی طرح جناب ابوطالب کا فقرہ یا محض خطابت ہے اور یا عام ہے لیکن اس سے مراد خاص ہیں۔ اسلئے کہ قریش کے بیشمار افراد تین سو ساٹھ بتوں کے پجاری تھے اور بالیقین کافر تھے کافر کبھی سنی اللہ نہیں ہو سکتا۔

جناب خطیب زاد فضلہ نے آیہ "انہ لذکر لک ولقومک" سے بھی فضیلت قریش پر استدلال کیا ہے یعنی یہ قرآن تیرے لئے اور تیری قوم کیلئے ذکر و تذکر و عبرت ہے۔ لیکن دوسری آیت کو نظر انداز کر دیا جو اس راز کا انکشاف کر رہی ہے وہ یہ کہ ویقول الرسول یارب ان قومی اتخذوا ہذا القرآن مھجورا۔ رسول (قیامت کے دن) کہیگا کہ خداوندا میری قوم نے قرآن کو چھوڑ دیا۔ وہی قوم جس کے لئے قرآن ذکر و تذکر ہے وہی اسکی تارک بھی ہے۔ اب فرمائیے کیا فخر رہا۔

اس کے بعد جو حدیث نقل ہوئی ہے اس سے دیگر قبائل عرب کے مقابل میں قریش کی فضیلت ضرور ظاہر ہوتی ہے لیکن قریش کی جب باہمی حالت پر نظر ڈالی جائے تو صرف وہ بیت اس افتخار کا مستحق ہے جس میں سے رسول اللہ پیدا ہوئے اور وہ گھر جناب عبد اللہ کا گھر ہے پس مفاد حدیث یہ ہے کہ بیت عبد اللہ ع تمام عالم کیلئے بیوت سے بہتر ہے جس میں بنو فاطمہ آج بھی شریک ہیں اور ان کے شریک اگر ہو سکتے ہیں تو صرف سادات علوی وہ اسلئے کہ حضرت عبد اللہ بن رضی اللہ عنہ سے جو حدیث انتقال نور نبوی نقل ہوئی ہے۔ اس کے ان طریقوں کو جناب خطیب زاد فضلہ نے ترک کر دیا ہے جن کا مفہوم یہ ہے کہ نور نبوی و نور علوی متحداً اصلاب طاہرہ وارحام مطہرہ میں نقل ہوتا رہا حتی کہ جناب عبد المطلب تک پہنچا اور وہاں سے اس نور کے دو نصف ہو گئے۔ ایک نصف جناب عبد اللہ کیطرف منتقل ہوا اور دوسرا نصف جناب ابوطالب کی طرف اس مضمون کی بہت سی احادیث ہیں اور انہیں سے اکثر جناب عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں۔"

معلوم رہے کہ ہمیں قریش کی فضیلت سے (دیگر قبائل عرب کے مقابل میں) انکار نہیں ہے اس لئے کہ اس فضیلت میں ہم بنو فاطمہ برابر کے شریک ہیں بلکہ شریک غالب ہیں لیکن اول کو غلط استدلال قبول کرنیکو جی نہیں چاہتا خواہ مخواہ دل میں خلش ہوتی ہے چاہے اس کا مفاد اپنی ہی ذات تک کیوں

نہ پہنچتا ہو۔ دوئم یہ کہ قریشی حضرات نے کبھی بنو فاطمہ کی فضیلت کا قولاً یا فعلاً اعتراف نہ کیا اور جہاں کہیں بنو فاطمہ یا آل علی کا ذکر کیا جاتا ہے تو اسکا طریقہ نہایت خشکی لئے ہوتا ہے۔

دریادلی یہ تھی کہ انجمن قریش میں بنو فاطمہ کو سب سے پہلے شرکت کی دعوت دیجاتی، مانا کہ وہ مذہباً مختلف ہیں لیکن یہ اختلاف مذہب ان کو قرشیت سے خارج نہیں کرسکتا۔ بلکہ اس دعوت سے ایک بہت بڑے فتنہ کا سد باب ہوجاتا۔ البتہ اگر سادات اس کی شکایت کریں تو بالکل جائز ہے اور اب اگر کہنے پر دعوت دیجائے تو وہ لطف نہیں آسکتا جو پہلے آجاتا۔"

ان سطور سے حاشا وکلا مناظرہ یا مجادلہ مطلوب نہیں ہے ایک آزادانہ ومودبانہ اظہار خیال ہے میں بذات خود اس حزب معاصر کی قومی خدمت اور مرنجان مرنج پالیسی کی قدر کرتا ہوں۔ والسلام

وقف منصبیہ میرٹھ

اس وقف کی مطبوعہ رپورٹ بابت سال سیزدہم مجھے ملی اور اسوقت ملی جبکہ ماہ ستمبر کا رسالہ مکمل ہوکر دہلی پہنچ چکا تھا بایں سبب اظہار خیال نہ کرسکا اور اب ماہ اکتوبر میں اس کے متعلق کچھ لکھنا ضروری سمجھتا ہوں۔

یہ دعویٰ میرے خیال میں ناقابل تردید ہے کہ جب سے یہ وقف متولیان سابق سے نکلکر کمیٹی کے ہاتھ میں آیا۔ اور جناب خان بہادر حاجی سید محمد حسین صاحب شیخ اس کے متولی مقرر ہوئے۔ اسوقت سے اس وقف نے ترقی کی اور معقول ترقی کی۔ نہیں بلکہ ترقی کر رہا ہے موجودہ حالت اگرچہ میں نے بچشم خود نہیں دیکھی لیکن قومی جرائد کا مطالعہ اور معتبر حضرات کے بیانات میرے علم کو علم الیقین کی حد تک پہنچا چکے ہیں۔ ہاں نظم سابق کا مشاہدہ میں نے اپنی آنکھوں سے کیا ہے میں نے ابتدا میں چند روز اس وقف کے مدرسہ میں تعلیم بھی پائی ہے وہ زمانہ جناب ولایت حسین خانصاحب مرحوم ومغفور کی تولیت کا زمانہ تھا اور جناب مولانا ومقتدانا خواجہ عابد حسین صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ مدرس اعلیٰ تھے۔ اللہ اللہ تیس برس سے کچھ زیادہ ہی گزر گئے مگر کل کی بات معلوم ہوتی ہے

اور یہی والا مکان اب تک نظر میں پھر رہا ہے۔
طالب علموں کا مل جل کر گلگلے تلنا بھی یاد ہے
ملا تاثیر حسین (مولانا سید تاثیر حسین صاحب قبلہ
مقیم رامپور) کی داروغگی مطبخ بھی نظر میں ہے وقت
آتے ہی طالبعلموں کا پیالے ہاتھ میں لیکر مطبخ پر حملہ
کرنا لایق فراموشی نہیں۔ منشی ذاکر علی صاحب
خوشنویس کا اصلاح دینا اور ان کی دری پر ہر وقت
چنوں مُرمُروں کی نمائش کبھی نہ بھولے گی۔

منشی حیدر حسین صاحب مدرس فارسی کا درس
انشاء خلیفہ یا چہار گلزار ذہن سے اتر نہیں سکتا۔
ایک اور مولویصاحب جو بیچارے تازہ وارد تھے
ان کا درس تو عجب لطف رکھتا تھا۔

ہدایت النحو کا سبق۔ میں نے یہ فقرہ پڑھا۔
"الفصل الثانی فی المنصوبات" ترجمہ کیا
"دوسری فصل منصوبات کے بیان میں۔" مولوی
صاحب نے ٹوکا "ہوں" ترجمہ صحیح کرو۔ پھر یہی
ترجمہ دوہرایا۔ پھر ٹوکا گیا۔ آخر فرمایا اسطرح ترجمہ
کرو "فصل دوسری بیچ بیان منصوبات کے۔"

ان حقائق پر نظر کرنیسے معلوم ہوتا ہے کہ میں
بہت دنوں سے جی رہا ہوں۔ لیکن یہ مطلوب نہیں
ہے بلکہ اس سے مجھے یہ یقین ہوتا ہے کہ میں اس
درسگاہ سے آشنائی رکھتا ہوں۔

زمانہ بدل گیا۔ حالات بدل گئے۔ اسوقت کیا
تھا اور اب کیا ہے؟ وہ اچھا تھا یا اب اچھا ہے؟
مجھے تو وہی زمانہ اچھا معلوم ہوگا اسلئے کہ انسان
کا دستور ہے کہ وہ پرانے عہد کو ہی یاد کرتا ہے لیکن
انصاف یہ ہے کہ اس زمانہ کو موجودہ حال سے
وہی نسبت ہے جو بیل گاڑی کو ایروپلین سے

ولایت علی خاں مرحوم کے بعد اس درسگاہ
کی حالت انتہائی تنزل پر پہنچ چکی تھی۔ وقت
اب وقت نہ تھا بلکہ اس کی نوعیت بدلی جارہی
تھی کہ خواجہ غلام الثقلین مرحوم نے کامل جدوجہد
سے کام لیا۔ وہ اس جہاد میں کامیاب ہوئے
تولیت کا قرعہ حاجی صاحب ممدوح کے نام پڑا
حاجی صاحب گورنمنٹ کے پرانے تجربہ کار افسر
نظم و انتظام کے معنی سمجھے ہوئے۔ کام چلنے لگا
خوبی سے چلنے لگا اور چل رہا ہے ہر شعبہ میں ترقی
زمینداری کا انتظام کافی انتظام (کیونکہ ساری عمر
یہی کام کیا ہے۔ اس کے گُروں سے واقف ہیں
عمارات کا تحفظ، مدرسہ کی ترقی جدید اصول پر
طلبا کی جماعت بندیاں۔ وظائف میں قابلیت
کا لحاظ۔ امتحانات باقاعدہ۔ یونیورسٹی سے

الحاق بغرض یہ کہ اب یہ درسگاہ معمولی مدرسہ نہیں بلکہ منصبیہ کالج کہلاتا ہے۔ اور جدید اصول پر دار الاقامہ کی سکیم منظور ہو چکی ہے۔

اب فرمائیے کہ اندھا کیا چاہے؟ یہی نا کہ دو آنکھیں اس سے بڑھکر کسی وقت کے منتظمین سے یا متولی سے قوم کیا امید رکھ سکتی ہے؟ اور اگر اس سے کچھ سوا چاہتی ہے تو غلط چاہتی ہے مجھے یہ کہنے کی اسلئے ضرورت ہوئی کہ موجودہ متولی اور منتظمہ کمیٹی کے خلاف کافی پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے۔

اس پروپیگنڈا یا شورش کو دیکھتے ہوئے لازماً جو امور پیش نظر ہوتے ہیں وہ یہ ہیں (۱) آیا متولی یا جماعت منتظمین اس وقف سے کوئی ذاتی فائدہ اٹھا رہے ہیں؟ اسکا جواب نفی میں ہے حتی اینکہ متولی اپنے حقوق جائزے بھی دست بردار ہے (۲) کیا دوسروں کو یعنی اپنے عزیزوں۔ قریبوں اور احباب کو ناجائز فائدہ پہنچایا جا رہا ہے؟ یہ بھی نہیں ہے (۳) انتظام میں موٹی موٹی غلطیاں ہیں؟ نہیں ہیں (۴) غبن وتغلب کا شبہ ہے؟ ہرگز نہیں ہے۔ (۵) ترقی وقف کی فکر سے غافل ہیں؟ نہیں ہیں۔ پھر جب یہ باتیں نہیں ہیں۔ تو پھر وہ کونسی شے ہے جسکی بناپر کمیٹی کو راز و نیاز کی محفل اور متولی کو حکمت عملی کا استاد بتایا جا رہا ہے۔ ہاں۔ کیا یہ امر ہے کہ متولی اس عہدہ پر آکر اپنی شہرت کا طالب ہے اور جاہ پسندی کا شیدا؟ جسکی تفصیل کیلئے مندرجہ ذیل واقعہ نفس الامری کا مطالعہ کیجئے۔

متولی صاحب ایک اچھے عہدے پر رہ چکے گورنمنٹ سے خوشنودی مزاج کا پروانہ لیچکے۔ گھر میں اللہ کا دیا سب کچھ ہے معقول پنشن پاتے ہیں۔ اللہ کے فضل سے صاحبزادے۔ لائق فائق تعلیم یافتہ بیرسٹر۔ ایک اچھی وجاہت کے مالک افراد خاندان معزز زندگی بسر کرنے والے۔ ہر حیثیت سے معززین شرفا کی صف میں داخل۔ میرا خیال ہے کہ متولی صاحب کی کتاب زندگی کے ساٹھ باب تو یقیناً قلم قدرت سے لکھے جا چکے ہونگے زیادہ ہوں تو عجب نہیں۔ ایسی حالت میں کہاں کی شہرت کیسی ناموری کی خواہش۔ کہاں کی جاہ پسندی اللہ اللہ کرنے کے دن۔ کیونکہ یہ پرانے زمانے کے آدمی ہیں۔ اللہ سے اور ان سے پہلے کی آشنائی ہے اور اس زمانہ کی آشنائی ہے۔ جب اللہ میں کچھ حسن تھا۔ حسن تو اب بھی ہے مگر ہوگا۔ بما چہ۔ خیر ان حالات میں اپنی عقل سے تو شہرت پسندی کا مسئلہ باہر ہے آئندہ خدا جانے۔ انسان عالم الغیب

تو ہے نہیں۔ مگر ہاں میں اس مسئلہ کو اپنے نفس پر ہی
قیاس کرکے دیکھتا ہوں اگر میرے حالات یہی ہوتے
جو متولی صاحب کے ہیں اور پھر یہ چینٹیوں بھر کباب
یعنی تولیت مجھے پیش کی جاتی تو قبول کرنیکو تو کر لیتا
لیکن پہلے ہی نوالے میں اس پر تین حرف کہکر الگ
ہو جاتا۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم
اکبر مرحوم کا قطعہ ذیل نہایت اچھے مسلک کی
طرف دعوت دیتا ہے۔

بے ہنر بن کر جو بیٹھو طعنۂ حالی سنو
باہنر بنکر جو چمکو قوم کی گالی سنو
ہمکو تو پیر طریقت نے یہی دی ہے صلاح
قصۂ منصور دیکھو، ڈٹ کے قوالی سنو

اچھی خاصی جان کو روگ لگانیسے حاصل؟
خیر۔ مگر دنیا میں سب ہی مجھ جیسے نہیں کچھ قوی النفس
لوگ بھی ہوتے ہیں اور انہیں میں سے حاجی صاحب
بھی ہیں۔

اسوقت فعلاً حاجی صاحب اگرچہ متولی نہیں
بلکہ ان کے صاحبزادے سید محمد سخن صاحب سلمہ اللہ متولی
ہیں۔ لیکن مثل مشہور ہے کہ باپ بیٹے کا کس نے بانٹا
لہٰذا اگر حاجی صاحب کو متولی کہا جائے تو نازیبا
نہیں اور انہیں بھی برا ماننے کی ضرورت نہیں ہم تو
کام کو دیکھتے ہیں۔ حاجی صاحب ہوں یا ان کے
صاحبزادے اور اگر صاحبزادے ہی ہوں تو بھی
حق تمجید حاجی صاحب تک ضرور پہنچتا ہے۔

تمام مضامین کو دیکھنے سے جو فریق ثانی کی
طرف سے شائع ہوئے اور جنہیں اس رپورٹ
میں ایک جگہ جمع کر دیا گیا ہے۔ یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ
وہ حضرات جو واقف مرحوم کے قرابت دار ہیں اس
امر کے مدعی ہیں کہ متولی ہم میں سے ہونا چاہیئے
بلکہ یہ وقف کسی وقف نامہ کی بنا پر نہیں بلکہ ایک
وصیت نامہ پر اسکی بنیاد ہے۔ مگر معلوم ہوا کہ عدالت
روحانی بھی فتویٰ دے چکی اور عدالت دنیوی نے بھی
یہ قضیہ فیصل کر دیا کہ عہدۂ تولیت کے واسطے جو
قید خاندانِ واقف سے ہونیکی لگائی جاتی ہے
وہ عبث ہے۔ اسی سے ہمیں یہ بھی معلوم ہو سکتا
ہے کہ وقف شرعی معنوں میں وقف ہے۔

برادر من! بات یہ ہے کہ پہلے یہ وقف اہل
خاندان کے ہی ہاتھوں میں تھا۔ اس کا نتیجہ جو
ہوا وہ ہوا۔ اب اگر اسی مرکز پر پہنچ گیا تو جو کچھ
نتیجہ ہوگا وہ معلوم ہے اور سیدھی بات تو یہ ہے کہ
اب یہ وقف ہے اور تجربہ کار ہاتھوں میں سے
کسی ایشیائی شاعر کا دل تو ہے نہیں کہ جب چاہا

لیلیا اور جب چاہا دیدیا۔

اب رہا یہ امر کہ پانچ فیصدی ہاتھ سے نکل گیا۔ نکالا۔ نکل گیا۔ کسی نے زبردستی تو چھینا نہیں۔ بدعنوانیاں ہوئیں اچھی خاصی سالانہ رقم ہاتھ سے نکل گئی یہ تو حق الخدمت ہے میراث نہیں ہے۔

یہ تحریر طویل ہوگئی مگر غالباً مدرسہ منصبیہ کا پہلا زمانہ یاد آگیا جس نے قلم میں کافی حرکت پیدا کردی

اور بہی کچھ لکھنے کو جی چاہتا ہے مگر بس۔ اتنا ہی بہت ہے اور کلمۂ اختتام یہ ہے کہ متولی موجودہ اور جماعت منتظمہ کو ایسی شورشوں سے بددل نہ ہونا چاہئے قوم میں کام کرنیوالے بہت کم۔ اعتراض کرنیوالے لاکھوں یہ امر بھی قومی ناکامی کا مظہر ہے کیونکہ ناکام صنعت نقاد بہت اچھا ہے۔

والسلام۔

تادیب المجانین

بجواب

هفوات المسلمين

جناب شاہزادہ مولانا میرزا احمد سلطان گورگانی مصطفوی چشتی دہلوی صاحب تنزیہ الانساب کے نام نامی سے اکثر شیعہ حضرات جو کتب مناظرہ کا مطالعہ کرتے رہتے ہیں ضرور واقف ہونگے آپ کی مشہور تصنیف تنزیہ الانساب ہے۔ اس کتاب میں آپ نے عربوں کے نسب نامہ پر بحث کی ہے مضمون علمی اور تاریخی مضمون ہے اور نہایت دلچسپ مگر اسے کیا کیا جائے کہ شہزادہ صاحب کی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر مذاق بھرا ہوا ہے۔ اس پیرانہ سالی

میں بھی انہیں کبھی افسردہ دل نہ دیکھوگے۔ باتیں کریں گے ہنسیں گے ہنسائیں گے اور لٹا لٹا دینگے۔

اگر غور کیا جائے تو یہ بھی قدرت کا عطیہ ہے ورنہ وہ لوگ جنہوں نے دہلی کے قلعہ معلی کے چمنستان کی خوشبوئیں سونگھی ہوں اور اب زمانہ نے انہیں سبزہ بیگانہ بنادیا ہو انہیں اگر یہ عطیہ قدرت نہ ملتا تو کڑھ کڑھ کر چند ہی روز میں اس دنیا سے چل دیتے۔ شاعر دعا کرتا ہے

ع

دل دے تو اس مزاج کا پروردگار دے

جو سنج کی گھڑی بھی خوشی سے گذار دے

مانگنے والے کے حق میں یہ دعا قبول ہوئی یا نہیں؟ کچھ معلوم نہیں لیکن شہزادہ صاحب کو تو ایسا ہی دل ملا ہے مگر ستم یہ ہوا کہ طبعی مذاق نے تحریر کو بھی اپنی جلوہ گاہ قرار دے لیا۔ اور تنزیہہ الانساب نے ایک ہل چل مچادی۔ خدا خدا کر کے یہ طوفان تھما۔ مگر آپ کو ایک نیا مضمون سوجھا۔ کتب اسلامیہ سے تمام وہ حدیث جمع کر دیں جن سے صریحاً رسول کی توہین ہوتی ہے اس کا نام ہفوات المسلمین رکھا۔ بات کچھ نہ تھی مگر حضرات نے جو ریمارکس کئے وہ اتنے چٹپٹے تھے جیسے کسی زمانہ میں جامع مسجد کے کباب۔ یا چاندنی چوک کی نہاری۔ دلی والے تو خیر ان چیزوں کے عادی مگر دوسری جگہ کے لوگ تو زبان پر رکھتے ہی تلملا اٹھتے ہیں اس نون مرچ کا نتیجہ یہ ہوا کہ حیدرآباد کا آب و دانہ آپ کی قیمت سے اٹھ گیا۔ حالانکہ نقصان کافی اور بہت کافی ہوا مگر واہ رے شیر پیشانی پر بل تک بھی نہ آیا وہی دم خم۔ وہی تیور۔ وہی چتون۔ کوئی مشہور مولوی ایسا نہ چھوڑا جس کے پاس وہ کتاب نہ بھیجی ہو اور وہ بھی رجسٹرڈ معہ سیر جواب کی تاکید۔ اب کسی کو باؤلے کتے نے تو کاٹا نہیں جو جواب کی سردردی مول لے۔ باتیں بے ٹھکانے نہیں ہیں چتے پتے کی ہیں سب شربت کے گھونٹ کی طرح پی گئے

میرزا بشیر الدین محمود میرزائے قادیانی کے خلف الرشید اور خلیفہ ثانی سے رہا نہ گیا۔ شامت اعمال۔ ہفوات المسلمین کا جواب لکھدیا۔ حق الیقین نام رکھا۔

افسوس یہ ہے کہ جن لوگوں کو کتاب کا نام رکھنے کی تمیز نہیں وہ کتاب کیوں لکھتے ہیں شیعوں میں علامہ مجلسیؒ نے کتاب لکھی حق الیقین نام رکھا اور صحیح رکھا اسلئے کہ کتاب اعتقادات حقہ کے بیان میں لکھی گئی ہے۔

ملا محسن فیضؒ نے حسب درجات یقین علم الیقین عین الیقین۔ حق الیقین کتابیں لکھیں۔ یہ نام خود بتا رہے ہیں کہ موضوع کتاب کیا ہے۔

خلیفہ ثانی قادنی نے کتاب تو لکھی اس موضوع پر کہ جن محدثین کو ہفوات المسلمین میں زیر مشق بنایا گیا ہے ان کو بچائیں اور نام رکھا حق الیقین ماشاراللہ۔ سلیقہ تصنیف کسقدر اچھا ہے۔

یہ کوئی طرفداری نہیں بلکہ انصاف ہے کہ شہزادہ صاحب کو نام رکھنے میں ایک خاص سلیقہ ہے

تنزیہہ الانساب نام رکھا۔ کتنا پیارا نام رکھا۔ مقصد ان کا یہ ہے کہ صدر اول کے مسلمانوں کے نسب منزہ ثابت کریں لیکن کسی کی بد قسمتی سے یہ تنزیہہ اگر تلویث کی شکل پیدا کرے تو یہ اس کی قسمت یا شہزادہ صاحب کی جنکو اس خون جگر کہانے کا صلہ جو ملا وہ ملا۔ حتی اینکہ گھر میں آگ لگا دی گئی۔

ہفوات المسلمین لکھی۔ یہ نام بھی موضوع کتاب سے مطابقت کلی رکھتا ہے۔ جس کا جواب حق الیقین لکھا گیا اس کا جواب "تادیب المجانین" جسکا حصہ دوئم اسوقت پیش نظر ہے۔

خلیفہ قادیانی نے غضب یہ کیا کہ شہزادہ صاحب کے سامنے فقرہ بازی کرنے لگے۔ اب کیا تھا اللہ دے اور بندہ لے۔

میرے خیال میں خلیفہ صاحب نے یہ کتاب ضرور دیکھی ہوگی۔ نہ دیکھنے کے معنی کیا؟ شہزادہ صاحب اور انہیں کتاب نہ بھیجیں؟ ناممکن سہاں کتاب دیکھکر پہلا خیال دماغ میں یہ آیا ہوگا کہ یہ مجھ سے کیا حماقت ہوئی جو زبان ہلائی اور ایک آفت مول لے لی ملاحظہ ہو۔

متقاربت خدائے پاک با میرزائے بے باک

رسالہ صدع النقاب مذکور کے صفحہ ۲۵ پر ایک مرید خاص قاضی یار محمد صاحب بی اور ایل پلیڈر نے اپنے ٹریکٹ نمبر ۳۴ موسوم باسلامی قربانی مطبوعہ ریاض ہند پریس امرتسر میں لکھا ہے "جیسا کہ حضرت مسیح موعود نے ایک موقعہ پر اپنی حالت یہ ظاہر فرمائی کہ کشف کی حالت آپ پر اسطرح طاری ہوئی کہ گویا آپ عورت ہیں اور اللہ تعالیٰ نے رجولیت کی طاقت کا اظہار فرمایا" اسپر شہزادہ صاحب کا ریمارک یہ ہے "نعوذ باللہ مرزا صاحب کے نزدیک خدا تعالیٰ شافعی مذہب کا ہے اور انہوں نے حقیقی بیٹی کو باپ پر حلال کر دیا (دیکھو تفسیر کبیر سورہ نساء) اور قرآن میں بنات کی حرمت ہے۔ ابنا کی نہیں۔ اسی اڑنگ بڑنگ سے بیٹے کی حلت سمجھ لی معلوم ہوتا ہے کہ میرزا صاحب نے کسی کتاب میں خدا تعالیٰ کا نام یا جامع دیکھ لیا۔ چونکہ ممدوح عربی کے بڑے ادیب تھے پس آپ جامع کو جماع کا اسم فاعل سمجھے۔ لعنۃ اللہ علی الکاذبین واللہ خلیفہ جی ڈوب مرنیکا مقام ہے کہ باپ بھی ملا تو ایسے کرم کا"۔

غرض بیچارے محدثین تو شہزادہ صاحب کے ہاتھ میں گرفتار تھے ہی اس کتاب میں میرزا صاحب بھی گھس گئے اور برے گھسنے۔

ناظرین عرفان میں ایسے بھی حضرات ہیں جو کتب مناظرہ کے مطالعہ کا شوق رکھتے ہیں۔ ان حضرات نے اگر شہزادہ صاحب کی تصانیف نہیں دیکھیں تو کچھ بھی نہیں دیکھا۔ ضرور طلب کیجئے۔ اور خط اٹھائیے۔

شہزادہ صاحب نے ایک اعلان بھی بھیجا ہے اور تاکید یہ کی ہے کہ اسے حرف بحرف درج کردو مجبور ہوں کہ درج کروں ورنہ خوف ہے کہ اگر ملاقات ہوتے ہی برس پڑے تو کیا بنا لونگا (دیکھو ہنر)۔

"مداحان بخاری اور خاکسران ۔۔۔ کو نوٹس دیا جاتا ہے جوابات کے مدعی ہیں کہ بعفوت المسلمین کی مندرجہ شکایتی احادیث سے رسول اللہ کی توہین نہیں ہوتی چونکہ ہماری کتاب تادیب المجانین ان کی شرح ہے لہذا ان ۔۔۔ کا فرض ہے کہ وہ کتاب مذکورہ کی احادیث کے الفاظ متون و معانی و سیاق و سباق پر بقید عقل و قرآن مجید نظر کرتے ہوئے ثابت کریں کہ ان سے رسول اللہ کی توہین نہیں ہوتی۔ یہ ثبوت ہمارے پاس بھیجدیں بشرائط مذکورہ بالا مبلغ پانچسو روپیہ دیا جائیگا ورنہ انکو دینا ہوگا۔ یہ بھی نہ ہو تو جس مقام پر چاہیں طلب کریں۔ تحریری مناظرہ کیلئے آمادہ ہوں تاریخ مناظرہ سے بیس دن پہلے اطلاع دیجائے۔ سفر خرچ بھیجا جائے اور جوان دونو میں سے ایک بات پر بھی عمل نہ کیا تو دنیا جان لیگی کہ وہ قطعی فسادی اور بے ایمان ہیں۔

(شہزادہ) احمد سلطان مصطفوی چشتی۔ چاندنی محل دہلی

میں بطور یقین کہہ سکتا ہوں کہ ان دونوں باتوں میں سے ایک بھی نہ ہوگی اسمیں شک نہیں کہ ان خرافات کی بدولت جنہیں رسول اللہ سے منسوب کیا گیا ہے دشمنان اسلام کو پورا موقع مل گیا کہ وہ ذات اقدس رسالت پر بے محابا حملے کریں۔ "رنگیلا رسول" انہیں خرافات کا مولود ناجائز ہے لیکن مسلمانوں میں اتنی اخلاقی جرات نہیں ہے کہ وہ ان خرافات کی نسبت کھلا ہوا اعلان کردیں کہ انہیں اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جس احتساب کے ساتھ فضائل و مناقب اہلبیت کی احادیث کو خارج کیا جا رہا ہے اور کیا جا چکا ہے محض اس خیال سے کہ شیعوں کو لب کشائی کا موقعہ ملے

اگر وہی حمیت اس مقام پر کارفرما ہو تو بہت سا فساد مٹ جاتا۔

شیعوں کا مسلک اس معاملہ میں نہایت آزاد ہے اول تو ایسی خرافات کتب احادیث شیعہ میں موجود ہی نہیں۔۔ اگر بالفرض کوئی حدیث ایسی پائی بھی جائے تو وہ اسے کسی قسم کی وقعت دینے کیلئے تیار نہیں ہیں۔

مندرجہ بالا پتہ شہزادے صاحب سے خط و کتابت ہو سکتی ہے

رسالہ متعہ یہ ایک مختصر سا رسالہ ہے جو جناب ڈاکٹر سید تہور حسین صاحب نقوی امروہوی کی تالیف ہے اور انجمن دار التالیف مدرسۃ الواعظین لکھنؤ سے اسے شائع کیا ہے۔ بقامت کہتر و بقیمت بہتر۔ اس رسالہ کیلئے بالکل مناسب ہے اس میں معقولی حیثیت بھی موجود ہے اور منقولی بھی طرز تحریر نہایت مہذب ہر طبقہ کا مسلمان اس سے استفادہ کر سکتا ہے اور ٹھنڈے دل سے مسئلہ زیر بحث پر غور کر سکتا ہے۔ فی الحقیقۃ قابل مدح و تمجید رسالہ ہے تمام اعتراضات کا احصا بھی کر لیا گیا ہے اور انکا جواب بھی بعنوان "مختصر و مفید" موجود ہے مسائل اختلافیہ پر ایسے مختصر رسالہ ہزاروں کی تعداد میں چھپ چھپکر اگر مفت تقسیم ہوں تو بہت جلد خیالات کی اصلاح ہو سکتی ہے مگر سوال یہی ہوتا ہے کہ سرمایہ کہاں سے آئے۔ قیمت صرف ۱ر مدرسۃ الواعظین لکھنؤ سے طلب فرمائیے۔ اگر صاحبان ذوق سو سو یا دو دو سو کی تعداد میں یہ رسالے منگا کر بطور خود تقسیم کر دیں تو ہزاروں کی تعداد میں یہ رسالہ شائع ہو سکتا ہے۔

مُبلّغ کا غفرانمآب نمبر

رجب قریب ہے تمام اسلامی ادارات اپنے اخبار و رسائل رجب نمبر کی صورت میں پیش کرینگے ہم نے اس محترم مہینہ کے مبلغ کو غفرانمآب کی صورت میں پیش کرنیکا قصد کیا ہے جسمیں استاد الکل فی الکل آیۃ اللہ العظمی مولانا دلدار علی غفرانمآب طاب ثراہ کا وہ عکسی فوٹو بھی شائع ہوگا جو آجتک کسی سالہ کسی رسالہ میں شائع نہیں ہوا ہے اور دیگر علما و فضلا کے بلاک بھی شائع کرنیکا مصمم ارادہ کر لیا ہے اس نمبر کو کامیاب بنانے کیلئے علماء کرام اور ملک کے مشہور انشا پردازوں کو دعوت دیگئی ہے جن حضرات کو حضرت غفرانمآب کے دینی کارناموں سے گہری دلچسپی ہو وہ اس نمبر کو خصوصیت کے ساتھ کامیاب بنانیکے لئے ہر ممکن مدد دے باقتضائے شائق اپنے نظم و نثر مضامین سے پرچہ کی زینت بڑھائیں۔

انشاء اللہ الرحمن یہ ہمارا خاص نمبر اپنے دامن میں ملک کے بہترین اور مایہ ناز انشا پردازوں کے نتائج افکار کا رنگارنگ مجموعہ لئے ہوئے انتہائی آب و تاب کیساتھ ۱۹ رجب روز ارتحال حضرت غفرانمآب سے پہلے افروز ناظرین ہوگا اہل قلم اصحاب ۱۰ جمادی الثانی تک اپنے مضامین دفتر میں روانہ کر دیں۔ تاجروں کو اپنا اشتہار دیکر اس زرین موقع کا ہاتھ سے نہ جانے دیں ملک کی [illegible]

سید کلب علی ہوش اجتہادی منیجر رسالہ مبلغ
لکھنؤ جوہری محلہ دلدار منزل

والتوبۃ وضدھا الاصرار۔ عقل کی صفت توبہ ہے یعنی ہر وقت خدا کی طرف رجوع کرنا اگرچہ کوئی گناہ سرزد نہ ہوا ہو۔ لیکن اپنے نقص امکانی پر نظر کرتے ہوئے وہ ہر وقت راجع الی اللہ ہے اور اس کی ضد اصرار ہے یعنی جاہل گناہ کرتا ہے اور اس پر مصر بھی رہتا ہے۔

والاستغفار وضدہ الاغترار۔ عقل کی صفت استغفار ہے طلب مغفرت ہے۔ کہ خداوند عالم اپنے انوار جلال وجمال سے اسکے نقص امکانی کو ڈھانک لے اور اسکی ضد غرور و اغترار ہے یعنی جہل اپنے وجود بے نمود پر مغرور رہتا ہے۔

والمحافظۃ وضدہ التہاون۔ عقل کی صفت محافظہ ہے اور اسکی ضد تہاون وضعف ہے یعنی عاقل عباداتِ الہیہ کی محافظت کرتا ہے اور جاہل اس میدان میں ضعیف و ذلیل و حقیر۔

والدعاء وضدہ الاستنکاف طریقہ عقل دعا ہے اور اسکی ضد استنکاف ہے یعنی دعا سے اکراہ و انکار کرنا۔

بعض ظاہر بین متکلمین کا قول ہے کہ دعا میں کوئی فائدہ نہیں اسلئے کہ اگر مطلوب علم الہی میں واقع ہونیوالا ہے تو واجب الوقوع ہے دعا کرو یا نہ کرو ضرور واقع ہوگا اور اگر ایسا نہیں ہے تو وہ کبھی واقع نہ ہوگا اسلئے کہ قضا و قدر کے خلاف ہے اور قلم قدرت کو جو کچھ لکھنا تھا وہ پہلے ہی لکھ چکا۔ پس دعا سے نہ زیادتی ہوتی ہے اور نہ کمی نیز اسلئے بھی کہ اگر شے مطلوب مصالح عباد کے موافق ہے تو جواد مطلق کی طرف سے کبھی اس کے دینے میں بخل نہ ہوگا۔ مانگو یا نہ مانگو۔ اور اگر اسمیں مصلحت نہیں ہے تو کبھی عطا جاری نہ ہوگی۔ اسلئے کہ حکمت کے خلاف ہے نیز اسلئے بھی کہ رضا افضل مقامات صدیقین ہے اور دعا میں مشغول ہونا رضا کے منافی ہے اور یہ بھی سمجھنا چاہیئے کہ دعا امر و نہی سے شباہت رکھتی ہے اور یہ بارگاہ الہی میں ترک ادب ہے اس لئے حدیث قدسی میں وارد ہوا ہے من شغلتہ قراۃ القرآن عن مسئلتی اعطیتہ افضل ما اعطی السائلین جو شخص قرات قرآن میں مشغول ہو اور مجھ سے سوال نہ کرے تو جو میں دوسرے سائلوں کو عطا کرتا ہوں اس سے افضل اسے عطا کرونگا

یہ وہ خیالات واہیہ و آرائے فاسدہ ہیں جنہیں مذہبی لباس پہنایا گیا ہے ورنہ در اصل انکا منشا و مبدء دہریت ہے جو بالواں مختلف مسلمانوں میں جلوہ گر رہی ہے۔

ایک مسلم کیلئے یہی کافی ہے کہ جب وہ خود حکم دے رہا ہے ادعونی استجب لکم تم مجھ سے دعا کرو میں قبول کرونگا۔ تو کسی کو چون وچرا کی گنجائش نہیں۔ فی الحقیقۃ دعا ہی وہ شے ہے جس میں بندے کی بندگی پنہاں ہے روی زرارۃ عن ابی جعفر قال ان اللہ عز وجل یقول ان الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جھنم داخرین قال ھو الدعا زرارہ نے حضرت باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ خداوند عالم فرماتا ہے کہ وہ لوگ جو میری عبادت سے استکبار کرتے ہیں عنقریب ذلت وخواری کے ساتھ جہنم میں داخل ہونگے حضرت نے فرمایا کہ عبادت سے مراد دعا ہے۔

وعن میسر بن عبد العزیز عن ابی عبد اللہ قال قال لی یا میسر ادع ولا تقل ان الامر قد فرغ منہ ان عند اللہ عز وجل منزلۃ لا تنال الا بمسئلۃ و لو ان عبدا سد فاہ ولم یسئل لم یعط شیئا فسل تعط یا میسر انہ لیس من باب یقرع الا یوشک ان یفتح لصاحبہ۔

میسر بن عبد العزیز سے مروی ہے کہ حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اے میسر دعا کر اور یہ نہ کہہ کہ بس کام ختم ہو چکا یاد رکھ خدا کے نزدیک ایک منزلت ہے جس تک بغیر دعا و سوال رسائی نہیں ہو سکتی اگر کوئی بندہ اپنا منہ بند کر کے بیٹھ جائے۔ سوال نہ کرے تو اسے کچھ عطا نہ کیا جائیگا۔ تو سوال کر عطا ہوگا اے میسر جو دروازہ کھٹکھٹایا جائیگا کوئی شک نہیں وہ ضرور کھلیگا۔

والنشاط وضدہ الکسل۔ خاصیت عقل نشاط ہے اور اس کی ضد کسل وسستی۔ یعنی عاقل ہمیشہ عبادت الٰہی پر آمادہ رہتا ہے اور جاہل ہمیشہ سست وکاہل۔

والفرح وضدہ الحزن۔ عقل کی صفت فرح وسرور ہے اور اس کی ضد حزن والم۔ یعنی عاقل کی نظر نور جمال پر ہے وہ حقائق الاشیا کو دیکھتا ہے۔ لہذا ہر وقت سرور باطنی میں مستغرق ہے۔ برخلاف

اس کے جاہل ہمیشہ غم و آلام دنیوی میں گرفتار ہے۔

والالفة وضدها الفرقة ۔ عقل کی صفت الفت ہے اور اسکی ضد فرقت و تفریق ہے

والسخاء وضده البخل عقل کی صفت سخاوت ہے اور اسکی ضد بخل ہے۔

فلا یجتمع هذه الخصال کلها من اجناد العقل الا فی نبی او وصی نبی او مومن قد امتحن الله قلبه للایمان واما سائر ذلک من موالینا فان احدهم لا یخلو من ان یکون فیه بعض هذه الجنود حتی یستکمل وینقی من جنود الجهل فعند ذلک یکون فی الدرجة العلیا مع الانبیاء والاوصیا وانما یدرک ذلک بمعرفة العقل وجنوده وفقنا الله وایاکم لطاعته ومرضاته

یہ تمام خصلتیں جو عقل کے لشکر ہیں کلیۃً یا تو نبی میں جمع ہوتی ہیں یا وصی نبی میں یا اس مومن میں جس کے دل کا اللہ نے ایمان کے ساتھ امتحان لے لیا ہو۔ اب رہے یہ ہمارے موالی ہمکو دوست رکھنے والے ان میں ان صفات عقل میں سے بعض صفتیں ضرور ہوتی ہیں۔ یہانتک کہ وہ طالب کمال ہو اور صفات جہل سے پاک و پاکیزہ ہو جائے اسوقت وہ درجہ علیا میں انبیا و اوصیا کے ساتھ ہوگا اور یہ کمال اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب وہ عقل اور صفات عقل کا عارف ہو خداوند عالم ہمیں اور تم کو اپنی اطاعت و رضا کی توفیق عطا فرمائے

الحدیث الخامس عشر[۱۵] ۔ جماعة من اصحابنا عن احمد بن محمد بن عیسی عن الحسن بن فضال عن بعض اصحابنا عن ابی عبد الله قال ما کلم رسول الله العباد بکنه عقله وقال قال رسول الله انا معاشر الانبیا امرنا ان نکلم الناس علی قدر عقولهم۔

یہ حدیث مُرسل ہے۔ حضرت جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ رسول اللہ نے عوام الناس سے کبھی اپنی کنہ عقل کے موافق کلام نہیں فرمایا نیز امام فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ نے فرمایا کہ ہم گروہ انبیا مامور ہیں اس امر پر کہ لوگوں سے انکی عقلوں کے موافق کلام کریں۔

الحدیث السادس عشر[16]۔ علی بن محمد عن سھل بن زیاد عن النوفلی عن السکونی عن جعفر عن ابیہ قال قال امیر المومنین ؑ ان قلوب الجھال تستفزھا الاطماع و ترھنھا المنی و تستعلقھا الخدائع۔

حضرت امیر المومنین سے مروی ہے کہ جاہلوں کے دل طمع کے شکار ہیں۔ ہوا و ہوس کے مرہون ہیں اور شیطان کے مکر و فریب میں گرفتار ہیں۔ (یہ حدیث ضعیف ہے)

الحدیث السابع عشر[17]۔ علی ابن ابراھیم عن ابیہ عن جعفر بن محمد الاشعری عن عبید اللہ الدھقان الواسطی عن درست عن ابراھیم بن عبد الحمید قال قال ابو عبد اللہ ؑ اکمل الناس عقلاً احسنھم خلقاً۔

اس حدیث کے راویوں میں عبید اللہ دہقان واسطی ضعیف ہے اور ابراہیم بن عبد الحمید واقفی ہے اس نے حضرت رضا کا زمانہ دیکھا مگر حضرت سے حدیث نہیں سنی۔ اسلئے متروک الروایۃ ہے۔ اسی سبب سے یہ حدیث ضعیف ہے۔

حضرت صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ انسانوں میں جسکی عقل سب سے کامل ہے اسکا خلق سب سے بہتر ہے۔

الحدیث الثامن عشر[18]۔ علی عن ابی ھاشم الجعفری قال کنا عند الرضا فتذاکرنا العقل والادب فقال یا ابا ھاشم العقل حباء من اللہ والادب کلفۃ فمن تکلف الادب قدر علیہ ومن تکلف العقل لم یزدد بذلک الا جھلاً۔

ابو ہاشم جعفری کہتے ہیں کہ ہم حضرت رضا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھے۔ ہم نے عقل و ادب کا ذکر شروع کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ اے ابو ہاشم عقل ایک عطیہ الٰہی ہے اور ادب اکتسابی شے ہے پس جو شخص ادب کو حاصل کرے تو اسپر قادر ہو سکتا ہے لیکن جو شخص عقل کو اکتساب کرنا چاہے تو سوائے جہالت اور کسی بات میں زیادتی نہ ہوگی۔ (یہ حدیث صحیح ہے)۔

الحدیث التاسع عشر[۱۹]۔ علی بن ابراھیم عن ابیہ عن یحیی بن المبارک عن عبد اللہ بن جبلہ عن اسحٰق بن عمار عن ابی عبد اللہ قال قلت جعلت فداک ان لی جارا کثیر الصدقۃ کثیر الصلوٰۃ کثیر الحج لا باس بہ قال فقال یا اسحٰق کیف عقلہ قال قلت جعلت فداک لیس لہ عقل قال فقال لا یرتفع بذلک منہ۔

اسحق بن عمار کہتے ہیں کہ میں نے حضرت صادقؑ کی خدمت میں عرض کیا۔ میں آپ پر قربان ہو جاؤں میرا ایک ہمسایہ ہے۔ کثرت سے صدقہ دیتا ہے۔ بہت نمازیں پڑھتا ہے۔ اکثر حج کرتا ہے اسمیں کوئی عیب معلوم نہیں ہوتا۔ آپ نے فرمایا اسکی عقل کیسی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ عقل سے تو بہرہ نہیں رکھتا حضرت نے فرمایا کہ پھر تو کوئی عمل اس سے مرتفع نہیں ہو سکتا اور بعض نسخوں میں لا یرتفع کی جگہ لا ینتفع آیا ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ اعمال اس کے لئے نفع بخش نہیں (یہ حدیث مجہول ہے)۔

الحدیث العشرون[۲۰]۔ الحسین بن محمد بن عمران عن احمد بن محمد السیاری عن ابی یعقوب البغدادی قال قال ابن السکیت لابی الحسن لم ذا بعث اللہ موسیٰ بن عمران بالعصا و یدہ البیضا و آلۃ الطب و بعث محمداً بالکلام والخطب فقال ابو الحسنؑ ان اللہ لما بعث موسیٰ کان الغالب علی اھل عصرہ السحر فاتاھم من عند اللہ بما لم یکن فی وسعھم مثلہ و ما ابطل بہ سحرھم واثبت بہ الحجۃ علیھم وان اللہ بعث عیسیٰ فی وقت قد ظھرت فیہ الزمانات واحتاج الناس الی الطب فاتاھم من عند اللہ بما لم یکن عندھم مثلہ وبما احیٰی لھم الموتیٰ وابرء الاکمہ والابرص باذن اللہ واثبت بہ الحجۃ علیھم وان اللہ بعث محمداً فی وقت کان الغالب علی اھل عصرہ الخطب والکلام (واظنہ قال الشعر) فاتاھم من عند اللہ من

مواعظہ وحکمہ ماابطل بہ قولھم واثبت بہ الحجۃ علیھم قال فقال ابن السکیت باللہ مارائت مثلک قط فما الحجۃ علی الخلق الیوم قال فقال العقل یعرف بہ الصادق علی اللہ فیصدقہ والکاذب علی اللہ فیکذبہ قال فقال ابن السکیت واللہ ھو الجواب۔

اس روایت میں احمد بن محمد سیاری مطعون ہے اسکی کنیت ابو عبداللہ ہے۔ حضرت حسن عسکری علیہ السلام کے زمانہ میں یہ شخص موجود تھا اور آل طاہر کا کاتب تھا۔ ضعیف الحدیث ہے۔ فاسد المذہب ہے مراسیل کی روایت کرتا ہے اس راوی کے سبب سے یہ حدیث بھی ضعیف قرار پاگئی دوسرے راوی ممدوح ہیں۔ ابن سکیت علوم عربیہ کا مشہور عالم گزرا ہے۔ بجرم تشیع متوکل نے اسے قتل کرادیا۔

ترجمہ۔ ابن سکیت کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام علی النقی علیہ السلام سے دریافت کیا کہ خداوند عالم نے حضرت موسیٰؑ کو عصا اور ید بیضا اور حالت سحر کے ساتھ۔ حضرت عیسیٰؑ کو فن طبابت کے ساتھ اور حضرت محمد کو کلام وخطبات کے ساتھ کیوں مبعوث فرمایا حضرت نے جواب دیا کہ جس وقت خدا نے حضرت موسیٰؑ کو مبعوث کیا تو اہل زمانہ پر ساحری غالب تھی اور سحر وجادو کا چرچا تھا۔ پس خدا نے ان کے سامنے وہی شے پیش کی جو ان کی طاقت سے باہر تھی۔ اسی شے نے ان کے جادو کو باطل کیا۔ اور انپر حجت ثابت وقائم کردی اور خداوند عالم نے جب حضرت عیسیٰؑ کو مبعوث کیا تو اس زمانے میں بیماریوں کا چرچا تھا۔ لوگوں کو طب کی ضرورت تھی خدا نے وہ شے انہیں دی جو ان کے پاس نہ تھی اسی معجزہ سے حضرت عیسیٰ نے مردے زندہ کئے۔ جذامیوں کو اچھا کیا۔ اندھوں کو باذن اللہ آنکھیں دیں اور انپر حجت قائم کردی اور جس وقت خدا نے حضرت محمدؐ کو مبعوث فرمایا تو اسوقت اہل زمانہ پر خطابت وکلام کا رنگ غالب تھا (یا یہ فرمایا کہ شعر کا غلبہ تھا یہ تردید راوی کی طرف سے ہے) پس خدا نے اپنے پاس سے وہ مواعظ وحکم عطا فرمائے جنہوں نے انکے اقوال کو باطل کردیا اور انپر حجت قائم کردی۔ ابن سکیت نے کہا کہ خدا کی قسم میں نے آپ کا مثل نہیں دیکھا۔ اب یہ فرمایئے کہ آج

مخلوق پر کیا شے حجت ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ وہ عقل ہے۔ اسی کے ذریعہ سے صادق علی اللہ پہچانا جاتا ہے اور عقل اسکی تصدیق کرتی ہے اور اسی کے ذریعہ سے کاذب علی اللہ پہچانا جاتا ہے اور عقل اسکی تکذیب کرتی ہے۔ ابن سکیت نے کہا کہ خدا کی قسم یہ ہے جواب۔

الحدیث الحادی والعشرون [۲۱] حسین بن محمد عن معلی بن محمد عن الوشا عن المثنی الحناط ان قتیبة الاعشی عن ابن ابی یعفور عن مولی لبنی شیبان عن ابی جعفر قال اذا قام قائمنا وضع الله یدہ علی رؤس العباد فجمع بھا عقولھم وکملت احلامھم۔

اس حدیث میں معلی بن محمد البصری مضطرب الحدیث اور مضطرب المذہب ہے باقی راوی ثقہ ہیں اور ممدوح ہیں۔ خصوصاً عبد اللہ بن ابی یعفور اصحاب امامیہ میں جلیل القدر ہیں حضرت صادق کے نزدیک کریم المنزلت تھے۔ آپ کے عہد امامت میں انہوں نے وفات پائی یہ قاری تھے اور مسجد کوفہ میں قرآن پڑھا کرتے تھے۔ کشی نے بسند محمد بن قولویہ روایت کی ہے کہ یہ بزرگوار حضرت باقر علیہ السلام کے حواریوں میں سے ہیں۔

شیخ طوسیؒ نے تہذیب الحدیث کے باب الشہادۃ میں روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ ابن ابی یعفور کو قاضی ابو یوسف کے سامنے شہادت کیلئے جانا پڑا۔ قاضی مذکور نے کہا میں تم پر کوئی حرف نہیں رکھ سکتا تم میرے ہمسایہ ہو۔ میں جانتا ہوں کہ تم صادق ہو شب زندہ دار ہو۔ لیکن ہاں بس ایک خصلت تم میں ہے جو ذرا کھٹکتی ہے انہوں نے پوچھا وہ کیا؟ قاضی نے کہا کہ تم رفض کی طرف مائل ہو۔ یہ سنکر آپ رونے لگے۔ قاضی نے سبب پوچھا تو بیان کیا کہ تم نے مجھے ایسی قوم سے نسبت دی ہے کہ مجھے خوف ہے کہ میں ان میں سے نہ ہوں یہ سنکر قاضی متاثر ہوا اور شہادت کی اجازت دی۔

ترجمہ۔ بسلسلہ راویان مذکور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب ہمارا قائم قیام کریگا۔ تو اسوقت خداوند عالم اپنا ہاتھ (یا حضرت کا ہاتھ) بندوں کے سر پر رکھدے گا ان کی عقلیں

جمع اور کامل ہو جائیں گی۔

الحدیث الثانی والعشرون[۲۲]۔ علی بن محمد عن سہل بن زیاد عن محمد بن سلیمان عن علی ابن ابراهیم عن عبداللہ بن سنان عن ابی عبداللہؑ قال حجۃ اللہ علی العباد النبی والحجۃ بین العباد وبین العقل۔

راویان مذکور کے سلسلے سے مروی ہے کہ حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ بندوں پر اللہ کی حجت نبیؐ ہے اور وہ حجت جو بندوں کے اور خدا کے درمیان ہے وہ عقل ہے یعنی نبی حجۃ ظاہری ہے اور عقل حجت باطنی۔ (یہ حدیث ضعیف ہے)۔

الحدیث الثالث والعشرون[۲۳]۔ عدۃ من اصحابنا عن احمد بن محمد مرسلاً قال ابو عبداللہ دعامۃ الانسان العقل والعقل منہ الفطنۃ والفہم والحفظ والعلم وبالعقل یکمل وھو دلیلہ ومبصرہ ومفتاح امرہ فاذا کان تائید عقلہ من النور کان عالماً حافظاً ذاکراً فطناً فہماً فعلم بذلک کیف ولم وحیث وعرف من نصحہ ومن غشہ فاذا عرف ذلک عرف مجراہ وموصولہ ومفصولہ واخلص الوحدانیۃ للہ والاقرار بالطاعۃ فاذا فعل ذلک کان مدرکاً لما فات وواردا علی ما ھو آت یعرف ما ھو فیہ ولای شیٔ ھو ھٰہنا ومن این یاتیہ والی ما ھو صائر وذلک کلہ من تائید العقل۔

یہ حدیث مرسل ہے حضرت جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اصل انسان عقل ہے اور عقل سے ہی فطانت وفہم ہے۔ حفظ وعلم ہے۔ عقل سے انسان کامل ہوتا ہے وہ اسکی راہ نما ہے۔ اسکی عینک ہے اس کے امر مشکل کی کلید ہے اور جب عقل کی تائید نور (الہی ونور امامت) سے ہوتی ہے تو اب انسان عالم ہوتا ہے۔ حافظ ہوتا ہے۔ ذکر کرنیوالا ہوتا ہے۔ فطین وفہیم ہوتا ہے اور اس روشنی میں وہ جان لیتا ہے کہ (سلوک الی اللہ) کی کیا کیفیت ہے۔ اشیا کی علت کیا ہے؟ ہر امر کے موقع کو پہچانتا ہے اپنے ناصح کو پہچان لیتا ہے۔ دہوکا دینے والے کو جان لیتا ہے اور

جب ان باتوں کا اسے علم ہوتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ اسکی گزرگاہ کیا ہے اسے کہاں پہنچنا ہے۔ کن باتوں سے اسے بچنا ہے۔ اب وہ موحد خالص ہوتا ہے طاعت الہی کا صدق دل سے اقرار کرتا ہے اور جب یہ نوبت پہنچتی ہے تو جو شے فوت ہو چکی ہے اسکا ادراک کرتا ہے اور جو آنیوالی ہے اسپر وارد ہوتا ہے۔ وہ جان لیتا ہے کہ اب وہ کس عالم میں ہے اور کس غرض سے اس عالم میں ہے وہ کہاں سے آیا ہے اور کہاں جائیگا۔

خداوندا ہمیں بھی اس کی توفیق عطا فرما۔

الحدیث الرابع والعشرون[۲۴] علی بن محمد عن سہل بن زیاد عن اسمعیل بن زیاد عن اسمعیل بن مہران عن بعض رجالٍ عن ابی عبداللہ قال العقل دلیل المومن۔

راویان مذکور کے سلسلے سے مروی ہے کہ حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ عقل مومن کی رہنما ہے (یہ حدیث ضعیف ہے)۔

الحدیث الخامس والعشرون[۲۵]۔ الحسین بن محمد عن معلی بن محمد عن الوشا عن حماد بن عثمان عن السری بن خالد الناجی عن ابی عبداللہ قال قال رسول اللہ یا علی لا فقر اشد من الجهل ولا مال اعود من العقل۔

حضرت صادق فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ نے فرمایا اے علیؑ کوئی فقر و جہل سے بڑھکر نہیں اور کوئی مال عقل سے بہتر فائدہ بخش نہیں (یہ ضعیف ہے)۔

الحدیث السادس والعشرون[۲۶] محمد بن الحسن عن سہل بن زیاد عن ابی نجران عن العلا بن رزین عن محمد بن مسلم عن ابی جعفر قال لما خلق اللہ العقل قال لہ اقبل فاقبل ثم قال لہ ادبر فقال وعزتی وجلالی ما خلقت خلقا احسن منک ایاک آمر وایاک انہی وایاک اثیب وایاک اعاقب۔

حضرت باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب اللہ نے عقل کو خلق کیا تو اس سے کہا کہ سامنے آ وہ سامنے آئی پھر حکم دیا کہ پلٹ جا وہ پلٹ گئی اس وقت خطاب پہنچا کہ مجھے اپنے عزت و جلال کی قسم ہے کہ میں نے کسی مخلوق کو تجھ سے بہتر خلق نہیں کیا تجھے ہی میں امر کرونگا۔ تجھے ہی نہی کرونگا تیرے ہی سبب سے ثواب دونگا اور تیرے ہی سبب سے عقاب کرونگا۔

اس مضمون کی حدیث پہلے گزر چکی ہے (یہ حدیث ضعیف ہے)۔

الحدیث السابع والعشرون عدۃ من اصحابنا عن احمد بن محمد عن الهشیم بن مسروق الهندی عن اسحق بن عمار قال قلت لابی عبد اللہ الرجل آتیہ وکلمہ ببعض کلامی فیعرفہ کلہ ومنهم من آتیہ فاکلمہ بالکلام فیستوفی کلامی کلہ ثم یردہ علی کما کلمتہ ومنهم من آتیہ فاکلمہ فیقول اعد علی قال فقال یا اسحق وما تدری لم هذا قلت لا قال الذی تکلمہ ببعض کلامک فیعرفہ کلہ فذاک من عجنت نطفتہ بعقلہ واما الذی تکلمہ فیستوفی کلامک فذاک الذی رکب عقلہ فیہ فی بطن امہ واما الذی تکلمہ بالکلام فیقول اعد علی فذاک الذی رکب عقلہ فیہ بعد ما کبر فهو یقول لک اعد علی۔

اسحق بن عمار سے بسلسلہ راویان مذکور مروی ہے کہ میں نے حضرت صادق علیہ السلام سے عرض کی کہ میں ایک شخص کے پاس آتا ہوں اور اس سے پوری بات بھی نہیں کرتا مگر وہ میرے تمام مطلب کو سمجھ لیتا ہے اور بعض ایسے ہیں کہ ان کے پاس آ کر پوری بات کرتا ہوں وہ میرے کل کلام کو یاد کر لیتا ہے۔ اور اس کلام کو اسی طرح میرے سامنے دوہرا دیتا ہے جسطرح میرے منھ سے نکلا تھا اور بعض ایسے ہیں کہ جب میں ان میں سے کسی کے سامنے کلام کرتا ہوں تو وہ کہتا ہے کہ اس کلام کا پھر اعادہ کرو۔ راوی کہتا ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ اے اسحق تجھے اس کا سبب معلوم ہے میں نے عرض کیا نہیں پس وہ شخص جو تیرے تھوڑے سے کلام کو سنکر پورے کلام کو سمجھ لیتا ہے یہ وہ شخص ہے جسکے نطفہ میں عقل خمیر کیگئی ہے اور وہ شخص جو پورے کلام کو

سنکر اسے یاد کر لیتا ہے یہ وہ شخص ہے کہ بطن مادر میں اسکی عقل مرکب ہوئی ہے اور وہ شخص جو تیرے کلام کو سنکر اعادہ کا خواستگار ہوتا ہے یہ وہ شخص ہے کہ بڑا ہو کر جس میں عقل نے ترکیب پائی ہے اور وہی تجھسے کہتا ہے کہ میرے سامنے پھر اعادہ کر۔

اس حدیث میں ایک راوی مجہول ہے بہرطور کچھ بھی ہو۔ یہ حدیث منازلِ ثلاثہ عقل کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

الحدیث الثامن والعشرون [۲۸] عن احمد بن محمد عن بعض من رفعه عن ابی عبداللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ اذا رأیتم الرجل کثیر الصلوٰۃ کثیر الصوم فلا تباھوا بہ حتی تنظروا کیف عقلہ۔

حضرت صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ نے فرمایا کہ تم اگر کسی شخص کو دیکھو جو بہت نمازیں پڑھتا ہے بہت روزے رکھتا ہے تو اس پر مباہات نہ کرو جب تک یہ نہ دیکھ لو کہ اسکی عقل کیسی ہے (یہ حدیث مرسل ہے)

الحدیث التاسع والعشرون [۲۹] بعض اصحابنا رفعه عن مفضل بن عمر عن ابی عبداللہ قال یا مفضل لا یفلح من لا یعقل ولا یعقل من لا یعلم وسوف ینجب من یفهم ویظفر من یحلم والعلم جنة و الصدق عز والجهل ذل والفهم مجد والجود نجح وحسن الخلق مجلبة للمودة والعالم بزمانه لا یهجم علیه اللوابس والحزم مساءة الظن و بین المرء والحکمة نعمة العالم والجاهل شقی بینهما واللہ ولی من عرفه وعدو من تکلفه والعاقل غفور والجاهل ختور وان شئت ان تکرم فلن وان شئت ان تهان فاخشن ومن کرم اصله لان قلبه ومن خشن عنصره غلظ کبده ومن فرط تورط ومن خاف العاقبة تثبت عن التوغل فیما لا یعلم ومن هجم علی امر بغیر علم جدع انف نفسه

ومن لم یعلم لم یفھم ومن لم یفھم لم یسلم ومن لم یسلم لم یکرم ومن لم یکرم یھضم ومن یھضم کان الوم ومن کان کذلک کان احری ان یندم

یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس حدیث کا راوی جو مفضل بن عمر ہے یہ ممدوح بھی ہے اور مذموم بھی۔ کشی علیہ الرحمہ نے جو احادیث اس کے متعلق وارد کی ہیں ان میں سے بعض میں اسکی مدح وثنا ہے اور بعض اسکی مذمت پر دال ہیں۔"

حضرت صادقؑ نے فرمایا اے مُفضّل بے عقل کبھی فلاح نہیں پاتا۔ اور جو شخص علم نہیں رکھتا وہ عقل ہی نہیں رکھتا۔ جو شخص فہیم ہے وہی نجیب ہے اور جو شخص حلیم و بردبار ہے وہی ظفریافتہ ہے اور علم ایک سپر ہے۔ صداقت عزت ہے۔ جہالت ذلت ہے۔ فہم بزرگی ہے جودوکرم حصول مقصد ہے۔ حسن خلق مودت ومحبت کا جاذب ہے۔ اور جو شخص اپنے زمانہ کے حالات کا علم رکھتا ہے اسپر شکوک وشبہات کا ہجوم نہیں ہوتا (اسے کوئی فریب نہیں دیسکتا) حزم و احتیاط یہ ہے کہ ابنائے زمانہ سے بدظنی کی جائے۔ مرد اور حکمت کے درمیان عالم ایک نعمت ہے (عالم انسان کو حکمت سے واصل کرتا ہے) اور جاہل دونوں کے درمیان شقی ہے (فیض حکمت کو مرد سے قطع کردیتا ہے) اور اللہ اسکا دوست ہے جو اسکا عارف ہو اور اسکا عدو ہے جو اس کی معرفت میں تکلف سے کام لے اور عاقل اپنے اور دوسروں کے امور کی اصلاح کرتا ہے اور جاہل مکار وخبیث النفس ہوتا ہے۔ اب اگر تو چاہتا ہے کہ مکرم بنے تو نرمی اختیار کر۔ اور اگر ذلیل ہونا چاہے تو درشت مزاجی اختیار کر۔ اور جس کی اصل کریم ہوتی ہے اسکا قلب نرم ہوتا ہے اور جس کی اصل بد ہوتی ہے اسکا دل غلیظ وسخت ہوتا ہے جو شخص کمی کرے وہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالتا ہے اور جو شخص انجام سے خائف ہوتا ہے وہ کبھی ایسے کام میں مشغول ومصروف نہیں ہوتا جسے وہ نہیں جانتا۔ اور جو شخص کسی کام کو بغیر علم اختیار کرے وہ اپنی ناک کاٹتا ہے اور جو نہیں جانتا۔ نہیں سمجھتا۔ اور جو نہیں سمجھتا۔ وہ سالم نہیں رہتا۔ اور جو سالم نہیں رہتا وہ مکرم نہیں ہوتا۔ اور جو شخص مکرم نہیں ہوتا۔ وہ شکستگی میں مبتلا ہوتا ہے اور جو شکستگی میں مبتلا ہوتا ہے وہ بہت زیادہ ملامت

کا حقدار ہے اور جو مستحق ملامت ہوتا ہے تو آخر الامر وہ سزاوار ندامت ہے۔
اس حدیث میں جو اصول اخلاق بیان کئے گئے ہیں اہل بصیرت خود اسکا اندازہ لگائیں گے لیکن خصوصیت کے ساتھ ایک فقرے کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے جو یہ ہے والعالم بزمانہ لا یھجم علیہ اللوابس جو اپنے زمانے کے حالات کا عالم ہوتا ہے وہ فریب اور دھوکا نہیں کھا سکتا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کیلئے اپنے ماحول کا علم بھی ضروری ہے۔ فافہم وتدبر۔
اسی طرح یہ فقرہ بھی عجیب وغریب ہے۔ الحزم مساءۃ الظن یعنی احتیاط کے یہی معنی ہیں کہ بدگمانی سے کام لیا جائے بظاہر یہ فقرہ ظنوا بالمومنین خیرا (مومنین سے نیک گمان رکھو) کے خلاف معلوم ہوتا ہے لیکن حضرت امیر کے کلمات سے اسکی توضیح ہو جاتی ہے وہ یہ کہ جس زمانے میں فساد غالب ہو اس وقت ہر شخص کو شبہ کی نظر سے دیکھنا پڑے گا جبتک کہ اسکا تجربہ نہ ہو جائے۔
الحدیث الثلثون ۳۰۔ محمد بن یحیی رفعہ قال قال امیر المومنین من استحکمت لی خصلۃ من خصال الخیر احتملتہ علیہا واغتفرت فقد ما سواہ ولا اغتفر فقد عقل ولا دین لان مفارقۃ الدین مفارقۃ الامن فلا یتھنا مع مخافۃ وفقد العقل فقد الحیوۃ ولا یقاس الا بالاموات۔
حضرت امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جس شخص میں میری وجہ سے ایک خصلت بھی خصائل نیک میں سے محکم ہو جائے۔ تو میں اسے قبول کرلونگا اور اس کے ماسوا سے چشم پوشی کرلونگا۔ لیکن اگر عقل اور دین کو کھودے تو اس سے چشم پوشی نہیں کر سکتا اس لئے کہ دین کی مفارقت امر الہی کی مفارقت ہے اور ایسی زندگی پر مبارک باد نہیں دی جا سکتی جو خوف وآلام سے لبریز ہو۔ اور فقدان عقل فقدان حیات ہے اور ایسے شخص کا موازنہ اموات سے ہی کیا جا سکتا ہے (یہ حدیث مرسل ہے)۔
یہ کلام عجیب وغریب کلام ہے۔ مطالب عالیہ موجود ہیں۔ نظر چاہیے۔ بحیثیت خلافت انبیہ شان غفاری کا اعلان دلوں کو جذب کرتا ہے اسکے ساتھ ہی عقل ودین یا یوں کہئے کہ ایمان و

دین کی شرط کا مفاد بھی اہل بصیرت سے مخفی نہیں۔ عقل وہی ہے جو نور امامت سے منور ہو۔ اور دین وہی ہے جو اسی نور کی روشنی میں نظر آئے۔

الحدیث الحادی والثلثون۔ علی ابن ابراهیم عن موسیٰ ابن ابراهیم المحاربی عن الحسن بن موسیٰ الخشاب عن میمون ابن علی عن ابی عبداللہ قال قال امیرالمومنین اعجاب المرءِ بنفسہ دلیل علی ضعف عقلہ۔

اس حدیث کے دو راوی یعنی موسیٰ ابن ابراہیم اور میموں ابن علی مجہول ہیں۔

ترجمہ۔ حدیث یہ ہے کہ حضرت صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ امیر المومنین نے فرمایا کہ انسان کی خود پسندی اسکے ضعفِ عقل کی دلیل ہے۔

الحدیث الثانی والثلثون[۳۲]۔ ابو عبداللہ العاصمی عن علی ابن الحسن عن علی ابن اسباط عن الحسن بن جھم عن ابی الحسن الرضا قال ذکر عندہ اصحابنا وذکر العقل قال فقال لا یعبأ باھل الدین ممن لا عقل لہ قلت جعلت فداک ان ممن یصف ھذا الامر قوما لا باس بھم عندنا ولیست لھم تلک العقول فقال لیس ھولاء ممن خاطب اللہ ان اللہ خلق العقل فقال لہ اقبل فاقبل وقال لہ ادبر فادبر فقال وعزتی ما خلقت شیئاً احسن منک واحبّ الیّ منک بک اخذ وبک اعطی۔

حسن بن جہم کہتے ہیں کہ میں حضرت رضا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا۔ ہمارے اصحاب کا تذکرہ آیا اور عقل کا بھی ذکر ہوا حضرت نے فرمایا کہ اس شخص کا دین لائق التفات نہیں ہے جو عقل نہ رکھتا ہو۔ میں نے عرض کیا۔ آپ پر قربان کچھ ایسے لوگ بھی ہیں۔ جو اس امر (اقرار امامت) سے متصف ہیں۔ ہمارے نزدیک ان میں کوئی عیب بھی معلوم نہیں ہوتا۔ لیکن وہ ایسی عقول سے (جنکا ذکر ہو رہا ہے) متصف نہیں ہیں۔ فرمایا یہ وہ لوگ نہیں ہیں جن سے خداوند عالم نے خطاب نہیں کیا (یہ اہل عقل سے نہیں ہیں) بالتحقیق خداوند عالم نے عقل کو پیدا کیا اور اس سے کہا

سامنے آؤ وہ سامنے آئی پھر اس سے کہا پلٹ جا وہ پلٹ گئی اس وقت خطاب ہوا کہ مجھے اپنی عزت کی قسم ہے میں نے تجھ سے بہتر اور تجھ سے محبوب کوئی مخلوق خلق نہیں کی، میں تجھی سے مواخذہ کرونگا اور تجھے ہی عطا کرونگا (یہ حدیث موثق ہے)۔

الحدیث الثالث والثلثون۳۳۔ علی بن محمد عن احمد بن محمد بن خالد عن ابیہ عن بعض اصحابنا عن ابی عبداللہ قال لیس بین الایمان والکفر منزلۃ الا قلۃ العقل قیل وکیف ذلک قال ان العبد یرفع رغبۃ الی المخلوق فلو اخلص نیتہ للہ لاتاہ الذی یریدہ فی اسرع من ذلک۔

حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ کفر وایمان کے مابین سوائے قلت عقل اور کوئی منزلت نہیں پوچھا گیا کیونکر؟ فرمایا بندہ مخلوق کی طرف راغب ہوتا ہے اگر خدا کیطرف خالص نیت کے ساتھ راغب ہو تو اسے بہت ہی جلد اسکی مراد مل جائے (یہ حدیث مرسل ہے)۔

الحدیث الرابع والثلثون۳۴۔ عدۃ من اصحابنا عن سہل بن زیاد عن عبیداللہ الدھقان عن احمد بن عمر عن یحیی بن عمران عن ابی عبداللہ قال کان امیرالمومنین یقول بالعقل استخرج غور الحکمۃ وبالحکمۃ استخرج غور العقل وبحسن السیاسۃ یکون الادب الصالح قال وکان یقول التفکر حیوۃ قلب البصیر کما یمشی الماشی فی الظلمات بالنور بحسن التخلص وقلۃ التربص

حضرت صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ امیرالمومنینؑ فرماتے تھے کہ عقل کے ذریعہ سے میں غوامض حکمت کا استخراج کرتا ہوں اور حکمت کے ذریعہ سے غوامض عقل کا۔ اور حسن سیاست سے ادب صالح حاصل ہوتا ہے۔ اور فرماتے تھے کہ تفکر قلب بصیر کی حیات ہے۔ جیسا کہ چلنے والا ظلمات میں نور کے ذریعے سے ہر تہلکہ سے بچتا ہوا اور نہایت سرعت کے ساتھ راہ طے کرتا ہے۔ (یہ حدیث ضعیف ہے)۔

اس حدیث پر ایک شبہ وارد ہوتا ہے جو یہ ہے کہ عقل کے ذریعہ سے غوامض حکمت کا استخراج

اور حکمت کے ذریعہ سے غوامض عقل کا ادراک ورکو متقضی ہے۔ حل مقام یہ ہے کہ عقل وحکمت کے بہت سے درجات ومراتب ہیں۔ نقصان وکمال اور شدت وضعف کا ظہور ان میں پایا جاتا ہے پس ہر مرتبہ عقل کا یہ مقتضا ہے کہ اس کی روشنی میں ایک جدید مرتبہ حکمت حاصل ہو اور اس مرتبہ حکمت کے حصول سے نفس ایک تازہ فیضان عقل کیلئے مستعد ہوجاتا ہے جو فوق مرتبہ اولی ہے اور اسی طرح تدریجاً درجہ بدرجہ ایک سے دوسرے پر روشنی پڑتی چلی جاتی ہے یہانتک کہ منزل عظمی تک رسائی ہو اور مسجد اقصیٰ کا طواف میسر آئے۔

یہ فقرہ بھی قابل توضیح ہے کہ حسن سیاست کے سبب سے ادب صالح میسر ہوتا ہے۔ تفصیل یہ ہے کہ انسان میں دو قوتیں ہیں ایک کا نام عقل نظری ہے اور دوسری کا نام عقل عملی۔ عقل نظری کا کمال یہ ہے کہ وہ عقل بالفعل ہوجائے یعنی تمام معلومات اس کے سامنے حاضر ہوں اور یہ مرتبہ حاصل نہیں ہوتا جب تک کہ حقائق اشیا سامنے نہ آجائیں اور غوامض حکمت پر اطلاع نہ ہو۔ یہ قوت گویا اصل ہے اور بمنزلہ مخدوم ہے اور عقل عملی جو بمنزلہ خادم ہے اسکا کمال یہ ہے کہ انسان آداب صالحہ اور اعمال شرعیہ کی متصف ہو۔ پس حسن سیاست سے مراد یہ ہے کہ عقل عملی اپنے کمال پر فائز ہوجائے یہ سیاست خواہ ملک داری کیمتعلق ہو اور خواہ تدبیر وتہذیب نفس سے اسکا تعلق ہو دونوں صورتوں میں آداب واخلاق فاضلہ کا ظہور اسی حسن سیاست پر منحصر ہے۔

ان کلیات کو بیان کرنیکے بعد یہ بھی بتادیا گیا ہے کہ عقل کے ذریعہ سے غوامض حکمت کے استخراج کا کیا طریقہ ہے۔ چنانچہ فرمادیا کہ التفکر حیوۃ قلب البصیر صاحب بصیرت کے قلب کی حیوۃ کا ذریعہ تفکر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تفکر اور تدبر کے پر لگا کر طائر عقل پرواز کرتا ہے اور منتہائے کمال تک پہنچتا ہے۔ یہی وہ نور ہے جس سے ظلمات ابدان واجسام کے پیچیدہ رستوں میں چلنے والا چلتا ہے۔ نہ کہیں بھٹکتا ہے اور نہ کہیں سستی اور ضعف اسے لاحق ہوتا ہے۔ یہ مسافر اس شمع کی روشنی میں سفر کرتا ہے یہانتک کہ منزل پر پہنچے اور جوار الوہیت میں اس کے خیمے نصب ہوجائیں۔

قال الشیخ اعلی اللہ مقامہ ہذا آخر کتاب العقل والحمد للہ رب العالمین

مصنف کتاب ثقۃ الاسلام علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ یہ کتاب عقل کا اختتام ہے اور حمد ہے اس خدا کیلئے جو تمام عوالم کا پرورش کنندہ ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ کتاب العقل کا اختتام نہیں بلکہ باب العقل کا اختتام ہے۔